تعارفِ قرآنی، مرتبہ جناب ایم عبد الرحمٰن خان صاحب، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ ایم ثناء اللہ خان پبلشر اینڈ بک سیلر ۲۶ ریلوے روڈ لاہور،

کلام مجید کی مختلف حیثیتوں پر اردو میں کافی کتابیں ہیں، لیکن ایسی عام فہم اور آسان کتابیں کم ہیں جن سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے، یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرتی ہے، اس میں مصنف نے کلام مجید کی ان تمام آیات کو جن میں قرآن پاک کے کسی وصف کسی خصوصیت کسی کمال یا اس کی کسی حیثیت کا تذکرہ ہے، جس سے کلام مجید کے کسی پہلو پر روشنی پڑتی ہے، مختلف سرخیوں کے تحت میں جمع کر دیا ہے، اور اس کا ترجمہ بھی دیدیا ہے، موٹے موٹے اوامر و نواہی کی بھی کچھ آیات لکھدی ہیں، اور جابجا ضروری حواشی بھی دیدیئے ہیں، گو اس کتاب میں زیادہ تر قرآن مجید سے متعلق آیات جمع کی گئی ہیں، لیکن ان میں اس کی بہت سی تعلیمات آگئی ہیں، کتاب مفید اور عام مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

قصص النبیین، از مولانا سید ابو الحسن علی استاذ ندوۃ العلماء، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- غالباً مصنف ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملے گی،

عربی ادب کی ابتدائی نصابی کتابیں عموماً غیر مفید قصے کہانیوں پر مشتمل ہیں، جن سے زبان کی تعلیم کا مقصد تو حاصل ہو جاتا ہے، لیکن بچوں کے معلومات میں کوئی مفید اضافہ نہیں ہوتا، اور نہ کوئی اخلاقی سبق ہی حاصل ہوتا ہے، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی استاذ ندوۃ العلماء نے یہ کتاب لکھکر اس کمی کو پورا کیا ہے، اس میں کلام مجید سے حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے واقعات کو قصے کے پیرایہ میں اس انداز سے لکھا گیا ہے، کہ بچے دلچسپی کے ساتھ پڑھیں بھی، اور زبان کی تعلیم کے ساتھ دو جلیل القدر پیغمبروں کے سبق آموز حالات بھی ان کے علم میں آجائیں، یہ کتاب عربی کے ابتدائی درجوں میں پڑھانے کے لائق ہے،

"م"

تصحیح: ص ۱۰۰ سطر ۵ میں طاعت کے بعد لفظ ترک چھوٹ گیا ہے ناظرین تصحیح کرلیں،

جلد ۵۶ ماہ شوال المکرم سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۴۵ء عدد ۳

مضامین

شذرات

حضرۃ الاستاذ مد ظلہ نے جامعہ حسینیہ راندیر اور مدرسہ اشرفیہ کی مجالس امتحان سالانہ مین شرکت کے لئے گذشتہ شعبان کو سورت اور بمبئی کا سفر کیا تھا، موصوف کا ارادہ تھا کہ اس مہینہ کے شذرات مین اس سفر کے حالات لکھین گے، لیکن ۱۹ رمضان المبارک کو حوالی قلب مین ریاحی درد کا سخت دورہ پڑ گیا، جس نے صاحب فراش کر دیا، گو بفضلہ اب مزاج روبا صلاح ہے، لیکن ابھی کمزوری بہت ہے، اور کچھ دنون تک لکھنے پڑھنے کا کام انجام نہ دے سکین گے، اس لئے سفر کی روداد نہ لکھ سکے، جامعہ حسینیہ مین جو تقریر فرمائی تھی وہ اس پرچہ مین شائع ہو رہی ہے، مدرسہ اشرفیہ کے جلسہ مین خشیت الٰہی پر تقریر فرمائی تھی، لیکن وہ قلمبند نہ ہو سکی،

بمبئی مین یون تو عربی کے متعدد مدرسے ہین، لیکن وہ سب سیٹھ صاحبان کی فیاضی اور ان کے نیک نیت بزرگون کے اوقاف کی آمدنی سے چل رہے ہین، مگر ان مدارس کی حیثیت ان کی ذاتی املاک کی ہے، اس کا سارا انتظام انہی کی مرضی پر ہے، اور وہ اپنے مذاق اور رجحان کے مطابق جس طرح چاہتے ہین، ان کو چلاتے ہین، اور ان کے منشا کے مطابق ان کا قالب بدلتا رہتا ہے، بمبئی جیسے شہر مین عام مسلمانون کا کوئی مدرسہ نہین ہے جو غریب مسلمانون کی مدد سے چلتا ہو، اور ان کی رائے اور مشورہ کو اس مین دخل ہو، اس لئے حضرت الاستاذ نے جمعیۃ العلماء بمبئی کے اجلاس کے موقع پر جو گذشتہ صفر مین ہوا تھا، اپنے خطبۂ صدارت مین بمبئی کے مسلمانون کو ایک آزاد، عام مسلمانون کے مدرسہ کے قیام کی جانب توجہ دلائی تھی، جس مین صحیح دینی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو، اور جس کے ذریعہ بمبئی مین رد بدعات و قیام سنت اور دوسرے مذہبی و اصلاحی کام انجام پا سکین،

خوشی کا مقام ہے کہ اہل بمبئی نے اس تجویز کو گرمجوشی کے ساتھ قبول کیا، اور چند مہینون کے اندر ایک مدرسہ کے قیام کا انتظام ہو گیا، چنانچہ راندیر کے سفر کے موقع پر موصوف ہی کے ہاتھون سے اس کا سنگِ بنیاد رکھا گیا، آپ نے افتتاحی تقریر مین طلبہ کی مذہبی تربیت و اخلاقی نگہداشت اور ان کو بمبئی جیسی تماشاگاہ کی دلچسپیون

سے الگ اور محفوظ رکھنے کی جانب خاص طور سے توجہ دلائی، اگر یہ مدرسہ صحیح اصولون پر چلایا گیا، تو امید ہے، کہ ہندوستان کے دوسرے بڑے مدارس کی طرح مرکزی حیثیت حاصل کرے گا، اور اس کے ذریعہ بمبئی کے مسلمانون مین صحیح دینی تعلیم کی اشاعت کے ساتھ دوسرے مفید دینی کام بھی انجام پا سکین گے، جس کی وہان بڑی ضرورت ہے،

غالبًا ناظرین کو معلوم ہو گا کہ حیات شبلی کو ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی جانب سے انعام ملا تھا، مدیر نگار کے لئے یہ حادثہ ناقابلِ برداشت ثابت ہوا، وہ اس کو ضبط نہ کر سکے، اور حیاتِ شبلی کی تنقیص پر اتر آئے، اور اکیڈمی پر یہ الزام قائم کر کے اس سے بازپرس کی ہے کہ اوس نے ایک غیر مستحق کتاب کو انعامی مقابلہ کے شرائط کے خلاف کیون انعام دیا، اکیڈمی کے اعلان مین یہ شرط رکھی گئی تھی، کہ مقابلہ مین صرف وہ کتابین شریک کی جائین گی جو اکتوبر ۳۵ء اور مارچ ۴۲ء کے اندر شائع ہوئی ہون اور حیات شبلی اس کے بعد شائع ہوئی ہے، اس لئے وہ شرائط مقابلہ مین نہین آتی، مصنف چونکہ انعامی کمیٹی کے ممبر تھے، اس لئے انھون نے اپنے اثر سے انعام حاصل کر لیا، اس سلسلہ مین حیات شبلی کی تنقید مین ایک لغو سا مضمون بھی شائع کیا ہے، جس مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حیاتِ شبلی مولوی اقبال احمد خان صاحب سہیل ایڈوکیٹ اعظم گڈھ کے ان مضامین سے ماخوذ ہے جو انھون نے سیرت شبلی پر رسالہ الاصلاح سرائے میر مین لکھے تھے، اور اس کے ثبوت مین دونون کی چند مشترک عبارتین نقل کر دی ہین،

ان خرافات کی جانب توجہ کی ضرورت نہ تھی، مدیر نگار نے ہندوستانی اکیڈمی پر جو الزام رکھا ہے اور انعامی کمیٹی کے ممبرون کی دیانت پر جو حملہ کیا ہے، اس کا جواب تو وہ خود دین گے، لیکن اس تحریر سے ناواقف اشخاص کو غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اس لئے واقعہ کی اصل صورت بیان کر دینا مناسب معلوم ہوا،

واقعہ یہ ہے کہ یہ سارا بیان سراسر لغو ہے، حیات شبلی انعامی مقابلہ مین سرے سے بھیجی ہی نہین گئی تھی، مصنف اور تصنیف دونون کی حیثیت اس سے بلند ہے، کہ اس کو مقابلہ مین بھیجا جاتا، اور نہ اس قسم کے انعام سے مصنف کے اعزاز مین کوئی اضافہ ہو سکتا ہے، خود ہندوستانی اکیڈمی نے اس کو خرید کر منگایا تھا، اتفاق سے اس زمانہ مین حضرۃ الاستاذ تشریف بھی نہین رکھتے تھے، ورنہ شاید وہ اس کو بھی گوارا نہ فرماتے، اکیڈمی نے ان کو انعامی کمیٹی کا ممبر ضرور بنایا تھا، لیکن انھون نے صحت کی خرابی کی بنا پر اوس کو قبول نہین کیا تھا، اور

انعامی کمیٹی کے کسی جلسہ مین شریک ہوئے، مدیر نگار نے اکیڈمی کے اعلان کی نقل مین بھی تحریف سے کام لیا ہے، اس اعلان کے آخر مین یہ نوٹ بھی تھا، کہ اکیڈمی موصولہ کتابون پر انعام دینے کے لئے مجبور نہین ہے، بلکہ اگر اس کی نگاہ مین کوئی دوسری کتاب انعام کی مستحق ہوگی، تو وہ اس کو خود منگا کر مقابلہ مین شریک کرسکتی ہے، مدیر نگار اس نوٹ کو اڑا گئے،

حیاتِ شبلی مین اقبال صاحب کے مضمون کے چند صفحے ضرور ہین لیکن یہ کوئی راز نہین تھا، جسے افشا کیا گیا ہو، مدیر نگار کو غالباً اس کا علم نہین ہے کہ اقبال صاحب سہیل مولینا شبلی رحمہ اللہ کے شاگرد بھی ہین، اور ہم وطن اور عزیز بھی، ان کو علامہ مرحوم کے خاندانی اور ابتدائی حالات سے زیادہ واقفیت ہے، اس لئے خود حضرۃ الاستاذ کی تحریک پر انھون نے یہ مضمون لکھا تھا، جس کے چند صفحے انھون نے حیاتِ شبلی مین نقل کر دیئے ہین، اور کتاب کے شروع مین اس کا اظہار بھی کر دیا ہے جس پر شاید مدیر نگار کی نظر نہین پڑی، البتہ اس کی تصریح نہین ہے کہ کہان سے کہان تک نقل ہے، اس نقل کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے، کہ حیاتِ شبلی کے تقریباً ایک ہزار صفحات مین کل ملا کر آٹھ دس صفحے اس مضمون سے لئے گئے ہین، جو زیادہ تر صاحب سوانح کے ابتدائی اور خاندانی حالات سے متعلق ہین، حضرت اقبال خود بھی اسکا جواب دین گے، جس سے اس کے فاضل مدیر کی ابتدائی عربی و فارسی اور آمدنامہ اور میزان الصرف جیسی کتابون سے ناواقفیت کا بھی اندازہ ہو جائے گا،

مدیر نگار کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان خفیف حرکتون سے ان کے علمی جرائم ہلکے نہین ہو سکتے اور اس سے سیر الصحابیات، شہاب کی سرگذشت، نگار کے تاریخ ہند نمبر وغیرہ کے سرقون کی پردہ پوشی نہین ہو سکتی، اگر حیاتِ شبلی کے انعام پر ان کو ایسا ہی رشک و حسد ہے تو ان کے لئے بھی اکیڈمی کا دروازہ کھلا ہوا ہے آئندہ وہ بھی اپنی کوئی تصنیف پیش کر کے انعام حاصل کرنے کی کوشش کیون نہین کرتے لیکن ان کو خوب معلوم ہے کہ اہل علم کی نگاہ مین ان کی تصانیف عالیہ کی کیا وقعت ہے، اس لئے وہ اس کی جرأت نہین کر سکتے

کل ہند مصنفین و صحافت نگارون کی انجمن (آل انڈیا پی، ای، این ایسوسی ایشن بمبئی) کا سالانہ اجلاس ۲۰، ۲۱، ۲۲ اکتوبر کو جے پور مین منعقد ہوگا، ہندوستان کے بہت سے ممتاز مصنفین اور دوسرے اصحاب علم مقالات پڑھین گے، بیرون ہندوستان کے فضلاء کی شرکت کی بھی توقع ہے جن بعض مقالہ نگارون کے نام آئے ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اجلاس مذکور مین اچھا علمی اجتماع ہوگا، امید ہے کہ یہ اجتماع مختلف نسل و زبان رکھنے والی قومون کے درمیان اتحاد کا ذریعہ ثابت ہوگا،

مقالات

الجہد والجہاد لعلمی المعاش والمعاد

جامعہ حسینیہ راندیر کے جلسہ امتحان مین تقریر

بتاریخ ۱۳ شعبان ۱۳۶۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ اجمعین

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم قال اللہ تعالی وعلم آدم الاسماء کلھا وقال علم الانسان ما لم یعلم

برادران اسلام! آج مجھے بارہ تیرہ برس کے بعد اس کا موقع ملا ہے کہ ایک بار پھر آپ حضرات کی خدمت مین حاضری کی سعادت حاصل کرون، ہمارے ملک کا یہ خطہ جو گجرات کے نام سے مشہور ہے اور خصوصیت کے ساتھ آپ کا یہ شہر سورت اور اس سے بالکل متصل تاپتی دریا کے کنارہ آپ کا یہ قصبہ راندیر بھی ایک زمانہ سے باب کعبہ کے نام سے مشہور ہے، بمبئی کے عروج سے پہلے یہی مقام زائرین کعبہ کی پہلی منزل تھی، نہ صرف ہندوستان بلکہ ترکستان و چین و افغانستان و روس کے اہل شوق اسی راستہ سے حجاز کی منزل طے کرتے تھے، آپ کا یہ دریائے تاپتی اور پھر آگے بڑھ کر بھروچ کا دریائے نربدا بحر عرب کی دو نالیان ہین، انھی نالون یا نالیون کے ذریعہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے زائر عرب کے ساحل کو روانہ ہوتے تھے، آپ کے قصبہ کی قدیم مسجد کا کتبہ یہ ظاہر کرتا ہے، کہ ۵۹۱ھ سے اس قصبہ مین اسلام کی حکومت قائم ہے، لیکن عرب کے جغرافیہ نویس پہلی ہی صدی سے اس ملک کے

ساحل پر اسلام کے قدم کا نشان پاتے ہین، حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کے عہد مین تھانہ (متصل بمبئی) اور بھروچ مین اسلامی جہازون کے بیڑے کی آمد کی خبر ملتی ہے، ۱۳۰ھ مین بھروچ کے قریب گندھار کے بندرگاہ مین سب سے پہلی مسجد بنی اور ۲۰۹ھ مین بار بد مین جس کو کوئی بھاڑ بھوت اور کوئی بر بودھن کہتا ہے، وبا کے اثر سے مسلمانون کی ایک بڑی آبادی کی بربادی کا تذکرہ تاریخون مین سنائی دیتا ہے، ۶۹۷ھ مین سلطان علاؤ الدین خلجی اور ملک کافور کے حملون سے صدیوں پہلے گجرات کے سواحل مسلمان تاجرون کے دم قدم سے آباد تھے کہین کہین دس دس ہزار کی ان کی آبادی تھی، ان کے قاضی ان کے فیصلے کرتے تھے، اور ہنرمند کہلاتے تھے، ان کی مسجدین بڑی آباد اور ان کی خانقاہین معمور تھین، ابن بطوطہ نے جو محمد تغلق کے زمانہ مین تھا، اپنے سفرنامہ مین ان کا حال لکھا ہے، اور اس ہیچمدان نے اپنی کتاب عرب و ہند کے تعلقات مین اس کی کچھ تفصیل دی ہے،

جب سے سلاطین گجرات نے جو آل مظفر کہلاتے ہین دلی کے مرکز سے الگ ہو کر اس ملک مین خود مختار سلطنت کی بنیاد ڈالی، یہ کہنا مبالغہ سے خالی ہے کہ اس سلطنت نے اپنے سو برس کے زمانہ مین علم و ہنر، تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت اور تجارت مین وہ ترقی حاصل کی، جو ہندوستان کے کسی دوسرے حصہ کو نصیب نہین ہوئی، ساری دنیا سے علماء و حکما اور عجائب و غرائب اشیا، یہین سے ہندوستان کے دوسرے علاقون سے جاتے تھے، اور جاتی تھین، اور اسی طرح ہندوستان کے بڑے بڑے اہل ہنر اور اکابر اور عجیب و غریب مصنوعات اسی کے ساحلوں سے ہو کر ملکوں ملکون سیر کرتے تھے، اور پھیلتی تھین،

برکت و سعادت کی سب سے بڑی چیز یہ تھی کہ مصر و شام و حجاز سے جو فقیہ و محدث آتے تھے، ان کے فضل و ہنر کی پہلی بساط یہین بچھتی تھی، اور ان کے قال اللہ اور قال الرسول کی مجلس پہلے یہین جمتی تھی، عرب اور گجرات کے درمیان صرف پانی حائل تھا، ورنہ جو موج اُس ساحل سے اٹھتی تھی وہ اِس ساحل سے آکر ٹکراتی تھی، اور جو طوفان ادھر سے اٹھتا وہ دم کے دم مین ادھر پہنچ جاتا، یہی سبب ہے کہ حجاز سے علم حدیث کا جو سرمایہ ہاتھ آیا وہ سب سے پہلے اسی سرزمین کے حصہ مین آیا، سب سے آخری زمانہ مین شیخ علی متقی، شیخ عبد الوہاب متقی، شیخ طاہر فتنی، اور الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام کے مصنف قطب الدین نہروالی جو مکی مشہور ہین، اور جو حجاز مین سلاطین گجرات کی طرف سے متولی اوقاف اور مہتمم مدرسہ تھے، اور ظفر الوالہ بمظفر والہ کے مصنف محمد بن عمر آصفی ایسے اکابر ہین، جن کو ایک ہی وقت مین گجراتی اور مکی دونون کہہ سکتے ہین، مسند او قت آصف خان جو گجرات کی سلطنت کے آخری وزیر تھے ان کا خزانہ حجاز ہی کو منتقل ہوا، اور اس مقدس ملک مین علم و ہنر کی پرورش کا سامان بنا، سلاطین گجرات کے نام

مین اور اس کے بعد مغلیہ سلطنت کے زمانہ مین بھی گجرات کی اکثر سیر حاصل زمینین اسی وادی غیر ذی زرع کی سرسبزی و سیرابی کے لئے وقف تھین، یہ داستان گو پرانی ہے، مگر یہان اس لئے دہرائی گئی کہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہای سینہ را   گاہے گاہے باز خوان این قصۂ پارینہ را

گو اب گجرات کی وہ شان نہین رہی، مگر شکر کا مقام ہے کہ اگلے کاروان کے نقش قدم اب بھی باقی ہین

کاروان رفتہ و اندازۂ جاہش پیداست

زان نشانہا کہ بہ ہر راہگذار افتاد است

ایک طرف تجارت اور بیوپار کی رونق اور دوسری طرف دینداری اور دین پروری کے جذبات اب بھی نمایان ہین، مسجدین پر رونق، اور نمازیون سے آباد، اور ہندوستان بھر کے مذہبی مدارس اس کی توجہات کے ممنون ہین، اس وقت بھی راندیر، ڈابھیل اور سملک کے ادارے اور مدرسے ہمارے فخر کے لئے کافی ہین ماشاء اللہ یہان کے مسلمان تاجر اور کاروباری دین کا درد رکھتے ہین، علماء کی قدر پہچانتے ہین، اور اپنے مال کو خدا کی راہ مین دے کر اس دنیا کے ساتھ اُس دنیا کی نیکیان بھی خریدتے ہین، اور ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة کے مظہر بنتے ہین :-

مَا احسَنَ الدِّین والدّنیا اذا اجتمعا   ما اقبح الکفر والافلاس بالرّجل

غرض معاش کے ساتھ معاد کی فکر سے بھی غافل نہیں رہئے اور یہی وہ خصوصیت ہے، جو اسلام کو دوسرے موجودہ مذاہب سے ممتاز کرتی ہے، اس کی تعلیم یہ ہے کہ یہ دنیا اُس آیندہ دنیا کی خریداری کا بازار ہے، ان اللہ اشتریٰ مِنَ المؤمنینَ انفسُھم و اموالَھم بان لھم الجنة،

جان کی قیمت دیار عشق مین ہر کوئے دوست   اس نوید جان فزا سے سر و بال دوش ہے

رضائے الٰہی کے باغستان کی جس کا دوسرا نام جنت ہے، و رضوانٌ من اللہ اکبر کی قیمت کتنی ارزان اور سستی بتائی گئی ہے، جان و مال کی بازی!

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ   نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہ دنیا اس لئے دی گئی کہ یہان رہکر اُس دنیا کا سودا کیجئے، آپ جس طرح افریقہ اور برما مین رہکر راندیر کو آباد کرتے ہین اسی طرح اس دنیا مین سودا کر کے آخرت کی آبادی کی فکر مین رہین، اس دنیا مین رہکر اور اس دنیا کے کاروبار کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق انجام دے کر اور خواہشاتِ دنیا سے بچ کر اطاعتِ الٰہی کی تعمیل کر کے معرفتِ الٰہی

اور رضائے الٰہی کی جو سرفرازی پائیں، تو یہ وہی مجاہدہ ہے جو آدم اور بنی آدم کے لئے مخصوص ہوا ہے، اور جو فرشتوں کے حدود سے خارج ہے،

خاکسار نے ابھی تقریر کے شروع میں دو آیتیں پڑھی تھیں، جن کو پھر دہرائے دیتا ہوں،

قَالَ اللہ تعالیٰ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا وقَالَ تعالیٰ وَعَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ،

پہلی آیت سورۂ بقرہ کی ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ہے، اور دوسری آیت سورۂ علق کی ہے، جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی وحی کا ٹکڑا ہے، یا یوں کہیے کہ پہلی آیت آفرینش عالم کی درس گاہ کا، اور دوسری آیت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز درس کا پہلا سبق ہے، اس نکتہ سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے، کہ دین اسلام کے عقیدہ اور تعلیم میں علم کی کتنی اہمیت ہے، کہ اسی نقطہ علم سے کائنات کے دائرہ کا آغاز ہوتا ہے، اور اسی نقطہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خطِ مستقیم شروع ہوتا ہے، وہ تعلیم جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ساری دنیا کو محیط ہے،

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم فرمائی، ہمارے مفسرین اور علماء نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اسماء کی تفسیر میں بہت سے اقوال بیان کئے ہیں، کسی نے اس کو ذات وصفاتِ الٰہی تک محدود کر دیا ہے، اور کسی نے صرف چیزوں کے نام جیسے درخت، جانور، کتے، بلّے کے ناموں تک پھیلا دیا ہے، اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو چیزوں کے نام بتا دیئے، سو یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی تعیین اشارۂ نص کے خلاف ہے کیونکہ فرشتوں سے سوال میں استفسار ہوتا ہے أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، ھؤلاء کا اشارہ تو مسمیات کی طرف ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات مسمیات کی شکل میں متشکل نہیں ہو سکتیں، اور دوسرے قول میں آدم کی یہ تعلیم لفظوں سے آگے نہ تھی، حالانکہ یہ لفظی تعلیم کوئی بڑے شرف کی چیز نہیں،

حدیث شفاعت سے بھی جو صحیح بخاری کتاب التوحید والرد علی الجہمیہ میں ہے، اس کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ اس میں اسماء کی تصریح آئی ہے، وعلّمك اسماء كلِّ شيءٍ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء نہیں بلکہ اشیاء کے اسماء تھے،

عربی میں اسماء کے معنی بے شبہ نام کے ہیں، جیسے إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا (یہ صرف نام ہیں جن کو تم نے نام رکھ چھوڑا ہے)، لیکن چیزوں کے اکثر نام اوصافی ہوتے ہیں، اس لئے اسماء کے دوسرے معنی صفات و اوصاف کے ہیں جیسے وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (سب اچھے نام یا اوصاف اللہ ہی کے ہیں) ظاہر ہے کہ

کہ اللہ تعالیٰ کا علم تو صرف اللہ یا بقول بعض دوسرا نام رحمٰن بھی عَلَم ہے ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور سب نام حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ آدم علیہ السلام کو اشیاء کے تمام اوصاف وصفات وخواص و آثار بتائے گئے، اور یہ وہ الفاظ جو ان اوصاف و آثار پر دلالت کریں، خوب غور کیجئے کہ آغاز عالم سے اس وقت تک بنی آدم نے جو کچھ جانا اور معلوم کیا ہے وہ اس حد سے جس کا دائرہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں کھینچ دیا تھا، ایک ذرہ زیادہ نہیں جانا، اور نہ جان سکتا ہے، اس نے جو کچھ جانا اور معلوم کیا ہے جس کا نام اس نے علم اور تحقیق رکھا ہے، وہ اشیاء کے ظاہری اوصاف و آثار سے ایک حرف زیادہ نہیں ہے، اشیاء کے حقائق کما ھی اس کو علم بخشا گیا اور نہ وہ جان سکتا ہے، اس کو معلوم ہو کہ آگ کی صفت جلانا ہے، مگر یہ کہ آگ کی حقیقت کیا ہے اور اس کی صفت جلانا کیوں ہے، نہ اس نے جانا ہے اور نہ وہ جان سکتا ہے، یہی حال ساری اشیاء کا ہے کہ ان کے خواص و آثار کے علم کا دروازہ تو اس کے لئے کھول دیا گیا ہے، مگر ان کے حقائق کا باب اس پر ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے، اور پھر جو کچھ اس نے جانا بھی ہے، اس کے مقابلہ میں جو اس نے نہیں جانا ہے، بہت ہی کم ہے، اور اس کی خبر بھی اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دی، ارشاد ہوا، وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (اے انسانو! تم کو علم کا بہت ہی تھوڑا حصہ ملا ہے) صحیح بخاری میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں وارد ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے علم حقیقی کے مقابلہ میں انسان کے علم کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے سمندر میں سے کوئی چڑیا اپنی چونچ میں پانی لے لے، اس سے اندازہ ہوگا کہ انسان کے دعوائے علم کی بساط کیا ہے، اور یہ وہ حقیقت ہے جس کو نہ صرف اہل نقل مانتے ہیں، بلکہ اہل عقل بھی اس سے زیادہ کے مدعی نہیں، پرانے فلسفیوں کا قول ہے کہ جس کو ایک شاعر نے ایک مصرع میں ادا کر دیا ہے:-

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

اہل معرفت کہتے ہیں کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہوگیا کہ اس کو کچھ معلوم نہیں تو اس نے بڑا علم پایا، اور حقیقت یہ ہے کہ جاہل تو جاہل عالم بھی اگر اس حقیقت کو سمجھ لے، تو وہ عقل و شیطان کے بڑے کید سے نجات پا جائے، اور پھر اَنَا خَیْرٌ مِّنْہ کا شیطانی نقرہ اس کی زبان سے نہ نکلے،

عام اہل عقل کو جس چیز کے جاننے کا دعویٰ بھی ہے اس کے متعلق ابھی کہہ چکا ہے کہ وہ علم بھی اشیاء کے اسماء اور آثار و صفات کے دائرہ سے باہر نہیں، اور ان کی حقیقت بھی ہنوز راز ہے، اور راز رہے گی، عارف

شیراز فرماتے ہین :- ع

این ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

یعنی انسان جس کے جاننے کا دعوی کرتا ہے، اوس کو بھی وہ نہین جانتا ہے، اور جس کا سمجھنا وہ ظاہر کرتا ہو اس کو بھی وہ نہین سمجھتا، استاذ مرحوم کا شعر ہے،

فلسفی سِرِّ حقیقت نتوانست کشود   گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد

قدیم فلسفہ کہتا ہے کہ جسم ہے جسم کیا ہے، ہیولی اور صورت سے مرکب، ہیولی کیا ہے، اور صورت کیا ہے، ایک حامل دوسرا محمول، ایک قابل، دوسرا مقبول، ایک امتداد مطلق، اور دوسرا اس امتداد مطلق کا محل، یہ سارے لفظون کے گورکھ دھندے ہین، آج کل کا سائنسدان کہتا ہے کہ جسم کیا ہے چھوٹے چھوٹے ذرّون سے مرکب (ایٹمز) یہ ذرّے کیا ہین، برقپارے (الکٹرون) ہین، یہ برقپارے کیا ہین، قوت ہین قوت کیا، ایتھر، ایتھر کیا ہے، نامعلوم حقیقت، غرض دعوائے علم کا ہر قدم جہالت پر ختم ہوتا ہے، یہ ہے انسان کا علم، یورپ کا وہ سائنٹسٹ جس نے مسئلہ کشش اجسام کو ثابت کیا نیوٹن ہے، جس کی نسبت سمجھا جاتا ہو، کہ وہ موجودہ سائنس کا بانی اول ہے، اوس نے مرتے وقت یہ اقرار کیا، کہ اس کے علم کی حقیقت وہی ہے، جو اس بچہ کی جو سمندر کے ساحل پر بیٹھا ہوا،۔۔۔ ریت پر سنگریزون اور کنکریون سے کھیل رہا ہو، یہ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کی الہی حقیقت کا انسانی اعتراف ہے،

آج کل کائنات کی وسعت اتنی مانی جاتی ہے، جو پہلے کبھی نہین مانی جاتی تھی، پہلے فلسفی کائنات کو آسمانون کے اندر بند مانتے تھے، اور کہتے تھے، کہ آسمان کے نیچے آگ کا کرہ ہے پھر ہوا کا، پھر پانی اور مٹی کے کرے اور ان سارے کرون کو اور آفتاب اور ماہتاب اور ستارون کو محیط فلک نہم ہے، لیکن اس زمانہ مین یہ کہا جاتا ہے کہ وسعتِ عالم کا یہ اندازہ ہی نہین لگایا جاسکتا، جو کچھ ہمارے سامنے ہے وہ صرف ہمارے اس ایک آفتاب کا نظام کائنات ہے، اور یہ دور سے جو چھوٹے چھوٹے ثوابت ستارے معلوم ہوتے ہین، ان مین سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک آفتاب ہے اور ہر ایک آفتاب کے گرد بھی اسی طرح چاند ستارے اور دوسرے مستقل کرے اور نظام کائنات ہین، اس سے قیاس ہوگا کہ کائنات علم کی وسعت کا کیا عالم ہے، اب انسان کے علم پر غور کیجئے، کہ ان لاکھون کرورون مین سے انسان کا علم صرف ایک نظام شمسی تک محدود ہے، جس مین وہ آباد ہے، اب دیکھئے کہ نظام شمسی مین سے بھی اس کا علم آفتاب و ماہتاب اور بعض

ستارون کی روشنی اور حرکت تک محدود ہے، یہ کس سے بنے ہین ان کے اندر کیا ہے، ان کے اوپر کیا عجائبات ہین، اُن سے قطعاً ہم واقف نہین، اب آسمان سے زمین پر آیئے زمین کی ظاہری سطح کو اپنے ناپ ڈالا ہے اس کے کچھ طبقون کو کھود ڈالا ہے پانی کی تہ کی سیر کی ہے، اس کے اندر کچھ اترے ہین، پہاڑون کو کھودا ہے، اس کی چوٹیون کو ناپا ہے، گھنے جنگلون مین گھسے ہین، ریگستانون کو عبور کیا ہے، تاہم یہ دعوی نہین کیا جاسکتا کہ ہم کو ساری مخلوقات ارضی و بحری و ہوائی کا علم ہوگیا ہے نہ ہر جڑی بوٹی کا خاصہ ہم نے جان لیا ہے، اور نہ ہر موجود کی تحقیق کر لی ہے، اب انسان کے علم کی وسعت کتنی ہی ہوگئی ہو، تاہم اس کے معلوم سے اس کے مجہول کا پایہ بڑھا ہی ہوا ہے، گویا سارے نظاماتِ عالم مین سے جن کی تعداد لاکھون تک ہوگی ہم کو صرف ایک نظام شمسی کے ایک گوشہ کا کچا پکا علم حاصل ہوا ہے، اور اس پر انسان کو علم کا غرور اور واقفیت کا ناز ہے، استغفر اللہ،

اب ہم یہ فرض کرتے ہین، کہ اس زمین کے اوپر کی چیزون کا سارا حال ہم کو معلوم ہوگیا ہے، اب ہم یہ دیکھنا چاہئے ہین کہ ہم کو کیا معلوم ہوا ہے، ہم کو آگ پانی ہوا اور مٹی کا علم ہوا، ہم کو بجلی معلوم ہوئی ہم کو آفتاب کی روشنی اور گرمی دریافت ہوئی، ہم پر ان کی قوتون کا راز ظاہر ہوا، ہم کو جڑی بوٹیون کے خواص معلوم ہوے ہم نے ان اشیار کو کبھی جوڑ کر اور کبھی توڑ کر بہت سی چیزین بنائین آلات ایجاد کئے، مشینین چلائین، بھاپ اڑائی، بجلی دوڑائی، پانی مین جہاز چلائے ہوا مین ہوائی جہاز اڑائے بڑی بڑی توپین بنائین زہریلی گیسین پھینکین، اور وہ سب کچھ کیا، جو اس بڑی لڑائی مین ہم نے دنیا کو دکھایا، لیکن غور کیجئے اس علم کی وسعت مین نام اور اشیار کے خواص و آثار و صفات کے حدود سے ہمارا ایک قدم بھی باہر نکلا، کیا آگ، پانی، ہوا اور مٹی، بجلی اور بھاپ اور دیگر عناصر اور موجودات مین سے کسی کی حقیقت تک ہماری رسائی ہوئی، ہم کو صرف یہ معلوم ہوا کہ ہم اللہ تعالی کی ان بنائی ہوئی چیزون سے کیسے فائدہ اٹھا سکتے ہین، لیکن ان چیزون کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے، اس پر دہ پردہ پڑا ہوا ہے، جو نہ کبھی اٹھا ہے، اور نہ کبھی اٹھ سکتا ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے :-

وَخَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (بقرہ) اور نیز سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہ ہم نے ان سب چیزون کو انسان کے کام مین لگا دیا ہے، اب ہم کو جو کچھ علم اللہ تعالی نے بخشا ہے وہ صرف یہی علم ہو کہ ہم ان چیزون سے کیونکر فائدے اٹھا سکتے ہین، اور کیونکر ان سے نفع حاصل کرسکتے ہین لیکن یہ علم کہ

ان چیزون کی حقیقت کیا ہے، ان کو ہمارے علم کے حدود سے باہر رکھا گیا ہے یعنی اس حریم راز مین قدم دھرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، ہماری مثال ایسی ہے جیسے کوئی دہقان کسی بادشاہ کا مہمان ہو، بادشاہ نے اس کے لئے محل خاص مین اس کے آرام و آسایش کے تمام سامان مہیا کر دیئے، پانی کے فوارے بجلی کے قمقمے، فرش فروش اور ظروف و آلات قرینے سے لگا دیئے، عجیب و غریب سامانون سے سارے محل کو معمور کر دیا، اب یہ سارے سامان تو مہمان کے لئے ضرور ہین اور ان سامانون سے فائدہ اٹھانے ترکیب و تدبیر تو مہمان ضرور جان سکتا ہے، لیکن اُن اشیا کے حقائق و معارف اور مصنوعات کی صنعت کاری کی تحقیق کی نہ اُس کو اجازت ہے، اور نہ اس دہقان کے پیمانۂ علم مین اس کے سمانے کی گنجایش ہے،

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری

یہ سارا عالم آفتاب سے لے کر زمین تک تیلیون کی طرح کام مین لگا ہوا ہے، تاکہ آدم کے بچون کو جو اس فیض عام کے دسترخوان پہ مہمان ہین کھانے کو روٹی، پینے کو پانی، اور پہننے کو کپڑے اور سایہ کرنے کو گھر ملین، یہی چارون چیزین انسان کی اصلی ضرورتین ہین، حضرت آدمؑ کی جنت کی تعریف یہ فرمائی گئی تھی، اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَاءُ فِيهَا وَلَا تَضْحٰى ہماری دنیاوی جنت یہی ہے جہان بھوک پیاس، اور دھوپ اور برہنگی سے بچاؤ ہو، انہی چیزون کے مہیا کرنے کے لئے سارا عالم چکر کاٹ رہا ہے، اور گردش کر رہا ہے اور اس سامان کے ہاتھ آنے کی غرض یہ تھی کہ انسان اپنی بقا کو مدتِ متعینہ تک محفوظ رکھے، اور اس مین اپنے میزبان خلاق عالم کے شکر و طاعت کا فرض بجا لائے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ہم نے جن و انس کو اپنی طاعت و معرفت کے لئے پیدا کیا، غرض سارا سامان انسان کی محدود بقا کے لئے بنا ہے اور انسان خود اللہ تعالیٰ کی طاعت کے لئے بنا ہے، یہی مفہوم خطبون مین ہم کو ان الفاظ مین سنایا جاتا ہے، اِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ، دنیا تمہارے لئے اور تم آخرت کے لئے بنے ہو، جدید تعلیم کے ایک پروردہ آئی سی ایس دوست نے مجھ سے نظام عالم کی وسعت کا تذکرہ کر کے کہا کہ اس وسیع دنیا مین انسان کی حیثیت ایک ذرہ سے زیادہ نہین پھر کیا یہ ساری کائنات ایک ذرہ کے لئے بنی ہے، ان کا یہ تعجب ایسا تھا، کہ جی مین آیا کہ پوچھون کہ اگر اشیا کی قیمت کا پیمانہ ناپ سے ہے تو آپ جیسے چار پانچ فٹ کے آدمی کے لئے یہ سیکڑون گز کی لمبی چوڑی عمارت اور ایک دو فرلانگ کی کوٹھی سرکار نے کیون بنا رکھی ہے اور یہ سوال بھی کیا جا سکتا تھا کہ اس اصول کے مطابق آدمی ہاتھی کے لئے بنا ہو ہاتھی آدمی کے لئے نہین غالبًا عوام نا بلئے ہی

عقل والے آدمیون کے لئے یہ امتحانی سوال مقرر کیا، کہ عقل بڑی کہ بھینس؟ دنیا کی اس وسعت و عظمت مین کوئی شبہ نہین لیکن اس سارے نظام عالم مین عقل و معرفت، ہوش و ارادے علم و احساس اور قصد و ارادہ کی سب سے بڑی نعمت سے سب محروم ہین، اور صرف یہی ۶ فیٹ والا ایک انسان اس سے سرفراز کیا گیا ہے اس لئے تکلیف و شریعت اور بالارادہ طاعت کی امانت کا وہی ذمہ دار بنایا گیا ہے،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (احزاب - ۹)

ہم نے اپنی امانت آسمانون پر زمین پر اور پہاڑون پر پیش کی، تو سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور ڈر گئے، اور انسان نے اٹھا لیا، وہ ظالم و جاہل تھا،

اب یہین سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ انسانون کو بارگاہ الٰہی سے جو کچھ خاص چیزین ملی ہین، وہ اس کی اپنی نہین بلکہ بطور امانت اوس کو بضرورت اور مصلحۃ سپرد ہوئی ہین، اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کر کے اور اسما و صفات و خواص کا علم عطا فرما کر اس کو اپنی بقا، کی ضرورتون کی بہم رسانی کا سامان بخشا، لیکن خود اس کی حیثیت ملائکۂ عالم کو یہ بتائی گئی اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً مین زمین مین ایک اپنا نائب اور نمایندہ بنا رہا ہون نائب اور نمایندہ وہی ہوتا ہے، جو اصل کی طرف سے اصل کے دیئے ہوئے احکام کو جاری کرتا، اور اس کے بخشے ہوئے اختیار کو کام مین لاتا ہے، اور ان احکام کے اجرا اور اختیار کے کام مین لانے کے لئے جو ساز و سامان ضروری ہے، وہ اسی اصل سے عاریۃً اس کو ملتا ہے اور امانۃً اس کے پاس رہتا ہے، پس انسان کو عقل و قدرت، ہوش و خرد اور علم و معرفت کا جو سامان ملا ہے، وہ اصل کی نقل اور مالک سے مستعار ہے، اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ اسی بھید کی خبر ہے، اور صوفیہ کے اس قول کی شرح ہے، کہ عالم مین جو کچھ ہے، وہ سب اسماے الٰہی کے مظاہر ہین اور ان مین سے انسان اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کا سب سے بڑا مظہر ہے، اور اس طرح تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا منشا، اوس سے پورا کرنا ہے،

یہ سب کچھ کیون ہوا تا کہ انسان خالق کی معرفت حاصل کرے، اور طاعت بجا لائے، لیکن غافل انسان کیا کرتا رہا، اس عظیم الشان فرض سے جو اس پر عائد ہے، غفلت برتتا رہا اور برت رہا ہے، اس کو اس زمین مین متعینہ مدت کی بقا، کے لئے کھانے پینے رہنے اور پہننے کی چار چیزون کی پیدایش اور سامان کے لئے جو محدود علم اور قوت ملی تھی، اس کو اس نے ان چارون چیزون کے حصول کی غیر محدود بھوک اور پیاس پیدا کر کے

صرف ان کے حصول مین صرف کرنے لگا، اور کر رہا ہے، اس کا سارا وقت اور اس کی ساری جسمانی اور دماغی قوت صرف اسی مین خرچ ہو رہی ہے، کہ جس طرح ساری دنیا کا کھانا اور پانی اسی کو مل جائے، ساری زمین اس کے قبضہ مین آجائے، اور سارا سامان صرف اسی کے تصرف مین رہے، غرض اسی سامان کے غیر ضروری ہمہ گیر حصول و حفاظت اور پیداوار، اور بہتات اور سب کو صرف اپنی ملکیت بنانے مین وہ اپنی قوت اور طاقت کا ہر ذرہ فنا کر رہا ہے اور اس کھانے پینے اوڑھنے اور رہنے کے سارے ذخیرہ پر بلا شرکت غیرے زیادہ سے زیادہ تصرف کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے اور اس مشغولیت اور انہماک مین اس کو اس دنیا کے چھوڑنے اور دوسری دنیا مین جانے اور اس کے لئے اپنے اوپر عائد کردہ فرائض کی بجاآوری مین خالق کی معرفت اور اس کے احکام کی تعمیل کو بالکل بھلا بیٹھا ہے، بادشاہ سے لے کر مزدور تک سب اسی مین مبتلا ہین، اس کا سارا زور ظلم، جبر و قہر، چوری اور سینہ زوری، غصب، سرقہ، ڈاکہ، قتل کی وارداتین اور زنا اور بدکاری، طمع و حرص، عدم قناعت ساری برائیان اسی سے پیدا ہوئی ہین، حدیث مین ہے لا یملاء بطن آدم الا التراب آدم کے پیٹ کو صرف قبر کی مٹی بھرے گی، پھر فرمایا، اگر آدم کے پاس ایک وادی ہو تو وہ دوسری وادی کا جویا رہتا ہے، شیخ سعدی نے لکھا ہے، کہ کسی نے سلطان محمود کو خواب مین دیکھا کہ اس کی آنکھین کھلی ہین ایک صاحب معرفت نے اس کی تعبیر دی "چشمش نگران است کہ ملکش با دیگران است"

ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ

ہم چنان در بند اقلیمے دگر

بادشاہ کو اگر ساتون اقلیمون کی سلطنت بھی مل جائے تو وہ اس پر بھی ایک دوسری اقلیم کی فکر مین رہے گا، یہ حقیقت آج بھی عیان ہے، بادشاہ بادشاہ سے، قوم قوم سے اور ملک ملک سے صرف اس لئے لڑنے مین مصروف ہے کہ اس کو وہ بھی چاہئے جو دوسرون کے قبضہ مین ہے، اسی سے انسانون مین بےقراری قومون مین تباہ کاری، ملکون مین پریشان روزگاری اور بادشاہتون مین ستمگاری کی کوئی حد اور انتہا نہین ہے، اب چاہے کوئی کتنی ہی لیگ آف نیشنس اور سان فرانسسکو کی مجلسین بنائے، دنیا مین امن اور اطمینان اور قومون مین سکون اور ملکون مین تسکین پیدا نہین ہو سکتی، اس کا علاج صرف ایک ہی ہے، سیاسی و اجتماعی قناعت اور آیت کل ذی فضل فضلہ اور ان تؤدوا الامانات الی اہلہا پر عمل ہو، جو جس کا ہے وہ اس کو دو، ورنہ کوئی قوم سب کچھ پا کر بھی تسلی نہین پا سکتی، اسی طرح کوئی انسان سب کا سب کھا جائے تب بھی اس کا پیٹ نہین بھر سکتا، کیونکہ وہ اسی کھانے اور پینے کو زندگی کا اصل مقصد

سمجھتا ہے، اور ظاہری زندگی کی اسی چہل پہل اور رونق کو اصلی زندگی جانتا ہے، لیکن ہم غور کرین اور سوچین کہ یہ صفت اصل مین کفر کی ہے، ایک مومن اور کافر کا فرق یہی ہے، کہ مومن بقدر ضرورت کفاف پر بسر کر کے مالک کے حکم کے مطابق دوسری زندگی کے لئے اس پہلی زندگی کے عائد کردہ فرائض کو بجالاتا ہے اور اس دنیا کی ضروریات مین ضرورت کی حد تک جو بقا کے لئے ضروری ہے مصروف ہوتا ہے، اور باقی وقت کو اصل کام مین لگاتا ہے، لیکن وہ لوگ جو دوسری دنیا کے قائل نہین اپنے اعمال کی جوابدہی، اور اپنے کامون کے مواخذہ سے بے خبر ہین، دیکھ لیجئے کہ ان کا سارا انہماک خواہ نوکری، زراعت، تجارت، سلطنت کسی کام مین ہو، محض خورد و نوش کی بہتات اور مسکن و ملبس کی رونق اور افراط کے لئے ہے، اور اس کے لئے ہر شخص یہ چاہتا ہے، کہ ہو سکے تو غیرون کا حصہ بھی چھین کر جھپٹ کر، چوری کر کے، غصب کر کے، ڈاکہ مار کے، فریب دیکے، دھوکا دیکے، قتل کر کے حاصل کرے، اور اس خوشی مین مگن رہے، کہ سب کچھ ہمارے پاس ہے، اور قیامت تک کے لئے ہمارے پاس سامان ہے، حالانکہ خود زیست جس کے لئے یہ قیامت کا سامان ہے چند روز سے زیادہ کی نہین، کیا ان سے زیادہ کوئی احمق ہو سکتا ہے، کیا جانورون کی زندگی یہی نہین ہے، انہی کی شان مین اللہ تعالیٰ کا بار بار ارشاد ہے:-

ام تحسب ان اکثرہم یسمعون	کیا تو سمجھتا ہے کہ ان کا فردن مین سے
او یعقلون ط ان ہم الا کالانعام	اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہین، یہ نہین ہین مگر
بل ہم اضل سبیلا (فرقان - ۴)	جانورون کے مثل بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ،

سورہ محمدؐ مین ہے:-

والذین کفروا یتمتعون ویاکلون	اور جو کفر مین مبتلا ہین، وہ اسی طرح
کما تاکل الانعام والنار مثوی	دنیا کے فائدے اٹھاتے، اور پیٹ بھرتے
لہم (محمد - ۲)	ہین جیسے جانور کا ٹھکانا دوزخ ہے،

ایک اور آیت ہے:-

ذرہم یاکلوا ویتمتعوا ویلہہم	ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ کھاتے اور دنیا
الامل،	سے تمتع اٹھاتے ہین، اور دنیا کی آرزو
(حجر - ۱)	ان کو غفلت مین ڈالے رہے،

دوسری آیت مین ہے :-

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ، (اعراف - ۲۲)

ان کافرون کے دل ہین جن سے سمجھ کا کام نہین لیتے، اور آنکھیں ہین جن کو نہین دیکھتے، اور کان ہین جن سے نہین سنتے، یہ جانورون کے مثل ہین، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ،

ان کی آنکھیں ہین مگر دیکھتے نہین، کان ہین مگر سنتے نہین، جو عضو جس کام کے لئے بنا ہے، جب اس سے اس کا کام نہ لیا جائے تو وہ بیکار ہے، گویا اس کا وجود ہی نہین ان آیتون مین ان کفار کو جانورون سے بھی زیادہ گمراہ اور جاہل بتایا گیا ہے، اس لئے کہ بہر حال ہر جانور طوعاً و کرہاً زبردستی یا اپنے جی سے اس کام کو بجا لاتا ہے جس کے لئے وہ دنیا مین لایا گیا ہے، مگر جو اپنی خلقت اور دنیا مین اپنی آمد کی غرض کو بھولے ہوئے ہین وہ تو ان سے بھی بڑھکر بے عقل اور احمق اور گمراہ ہین،

آج کل مسائل اعتقادی مین جس اعتقاد سے سب سے زیادہ غفلت برتی جاتی ہے، وہ یوم الدین اور روز قیامت کا مسئلہ ہے، قیامت سے قیامت کی غفلت ہے، کافر تو کافر مسلمان تک اگر اس سے غفلت نہین تو تغافل ضرور برتتے ہین یعنی ایماناً تو بہر حال اس کا عقیدہ ظاہر کرتے ہین، لیکن عملاً اس عقیدہ پر یقین ہونے کی صورت مین ان کے طرز عمل مین جو تبدیلی ہونی چاہئے، وہ نہین ہے، اس لئے بطور نظریہ کے تو وہ مانتے ہین لیکن زندگی کے کاروبار اور اعمال مین اس ایمان سے اگر وہ کام لیتے تو جس نتیجہ کی امید تھی، وہ پوری نہین ہو رہی ہے اور سمجھتے ہین،

اب تو آرام سے گذرتی ہے — عاقبت کی خبر خدا جانے

حالانکہ یہ آرام ویسے ہی ہے، جیسے جانورون کو مزبلہ مین اور کیڑون کو نجاستون اور گندگیون مین ملتا ہے،

ہم ایسے رہے یان کہ ویسے رہے — وہان دیکھنا ہے کہ کیسے رہے،

خدا فرماتا ہے :-

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (عنکبوت - ۷)

اور آخرت ہی کی زندگی زندگی ہے،

آج کل اسی دنیاوی زندگی کے عیش و نشاط کی بہتات اور افراط کا نام ترقی رکھا گیا ہے جس کی ہر طرف پکار ہے، دولت پرست اور سرمایہ پسند قومون کی تقلید مین ترقی کی تعبیر بڑی بڑی ملازمتون بڑی بڑی تنخواہون اور حکومت کی نگاہ مین اعزاز و اکرام اور جاہ و منصب کی طلب اور حصول سے کی جاتی ہے، حالانکہ یہ دولت اور جاہ و منصب ایسا ہی ہے جیسے شاہی غلامون کی کمر اور گلے مین طلائی اور نقرئی پٹے اور کمر بند پڑے ہوئے ہون یا قفس کی سنہری تیلیون کے اندر خوش نوا پرندون کو بند کر دیا جائے،

آج کل اس راہ مین دو قسم کی گمراہیان یکجا ہین، ایک طرف سرمایہ دار قومین ہین جنھون نے سونے چاندی کی اینٹون کے بت تراشے ہین، وہ دنیا کے سارے سرسبز علاقون پر اس لئے حکومت کرنا چاہتی ہین کہ ساری دنیا کی دولت کو اپنے خزانون مین جمع کر لین، دوسری طرف اب سوشلزم کا زور ہے، جو حقیقت مین سرمایہ داری کی پہلی غلطی کا رد عمل ہے، پہلا گروہ اگر صرف تاجرون، زمین کے مالکون، بنک کے حصہ دارون اور دولت کے ٹھیکہ دارون کے خزانون کے بھرنے مین مصروف ہے، اور اس کو عام انسانون سے بحث نہین، تو دوسری طرف یہ دوسرا گروہ عام انسانون کے پیٹ بھرنے کے لئے کوشان ہے، اور اس حد تک تو بات صحیح بھی ہے لیکن اس کی افراط یہ ہے کہ اس نے انسان کو صرف پیٹ سمجھا ہے، اور اس پیٹ کے مسئلہ کو دنیا کا اصلی مسئلہ بنا رکھا ہے، اور اس کو اس قدر اہمیت اور وسعت دی ہے، کہ ساری دنیا ایک پیٹ مین سما گئی ہے، مذہب، اخلاق، تمدن، تاریخ سے لے کر کاروباری زندگی کی صلح و جنگ کے ہر ایک حادثہ کی تشریح اسی پیٹ سے کی جاتی ہے، ہم کو پیٹ کی اہمیت سے انکار نہین، حدیث مین جس طرح شر فتنۃ الغنی سے پناہ مانگنے کی دعا کی تعلیم ہے، اسی طرح شر فتنۃ الفقر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم ہے، اس لئے اسلام مین دولت کے طغیان اور مفلسی کی ذلت دونون سے بچنے کی تعلیم یکسان ہے، جس طرح طغیان دولت کا نتیجہ استکبار اور تمرد یعنی فرعونیت و نمرودیت اور شدادیت ہو کر کفر کا موجب ہوتا ہے، تو دوسری طرف ذلت اور مسکنت غضب الٰہی کا مظہر ہے، ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ قرآن پاک مین وکاد الفقر ان یکون کفراً روایتون مین وارد ہے لیکن ضرورت افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی ہے، موجودہ انجیل مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک فقرہ منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انسان صرف روٹی سے نہین جیتا، سو یہ بات ٹھیک ہے، انسان کے جسم مین پیٹ ہے جس کی مشکل کے حل کرنے کا نام علم معاش ہے لیکن اس کے سینہ مین دل بھی ہے اور قرآن پاک مین اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ — یہ جنت موعودہ اس کے لئے ہے جو باطل

حفیظ ج من خشی الرحمن بالغیب	کو چھوڑ کر حق کو قبول کرتا ہی اور حقوق آداب کی
وجآء بقلب مُنیب ادخلوھا	نگرانی کرتا ہی جو اللہ سے بن دیکھے ڈرا اور لایا ڈول
بسلام (ق - ۳)	جس مین رجوع ہو ان سے قیامت مین کہا جائیگا کہ چلو جا‌ؤ

ایک دوسری آیت مین ہو کہ لا ینفع مال و لا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم وارد ہی یعنی وہ قلب جو ہر باطل اور کجی سے سلامت رہا، حدیث شریف مین وارد ہے،

الا ان فی الجسد لمضغۃ اذا	ہان انسان کے بدن مین گوشت کا ایک
صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت	لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوگا تو سارا
فسد الجسد کلہ الا وھی القلب	بدن ٹھیک ہوگا، اور جب وہ بگڑے گا
	تو سارا بدن بگڑ جائے گا، ہان وہ دل ہی

اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ کا کام اسی لئے ضروری ہے کہ اس سے قلب کو حیاتِ مادی اور بقا حاصل ہو، جب تک کے لئے اس دنیا مین اس کی بقا مقدر ہے، اور قلب کا کام یہ ہے کہ سارے نظام جسم کو صالح بنائے رکھے، اور فساد سے بچائے اس لئے ہمارے لئے جس طرح پیٹ کے سامان کی ضرورت ہے قلب کے سامان کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے، دو مین سے ایک سے بھی تغافل نہین برتا جا سکتا، اگر پیٹ سے غفلت برتئے، اور صرف قلب کے کام مین لگے رہئے، تو عجب نہین کہ بقول عارفِ شیراز جب پچھلی پہر رات کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور آپ تہجد کی نماز کو بھوکے پیاسے کھڑے ہون تو کان مین یہ آواز آئے،

ع چہ خورد بامداد فرزندم

اگر پیٹ لوا بھرا ہو، اور قلب کی اصلاح کی طرف توجہ نہ ہو، تو قرآن پاک کے بموجب بطرت معیشتھا عیش دنیا مین ناز و غرور کی شان پیدا ہو کر خود حق تعالیٰ سے بغاوت اور طغیان پیدا ہو جائے، فامرنا مترفیھا ففسقوا فیھا یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہین، کہ جب کوئی بستی تباہ ہوتی ہے، تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس بستی کے دولتمند اور اصحاب نعمت اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہین تو اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر ڈالتا ہو، اس لئے بڑی ضرورت ہے، کہ پیٹ کی طرح قلب کی بھی فکر کی جائے، پیٹ کی فکر رکھنے والے علم کا نام ہم نے پہلے معاش بتایا ہے، اور قلب کی فکر رکھنے والے علم کو علم معاد کہتے ہین اور حقیقۃً یہی دو علم ہین، جو انسان کے لئے ضروری ہین، بقیہ فنون تفریح و آرائش ہین جنکا نام رکھا گیا ہو،

بھرے پیٹ کی ڈکار اور آسودہ حالون کا دل بہلاؤ ہے،

ہم نے تقریر کے شروع مین دو آیتین پڑھی تھین، ایک کا تعلق اس علم سے ہے جو شروع آفرینش مین اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سکھایا تھا، اور جس کو تعلیم اسماء فرمایا ہے، اور جس کی تشریح ہم نے علم آثار و اوصاف وصفات و خواص اشیاء سے کی ہے، اور انھی چیزون کی تحقیق اور علم پر دنیا مین بقاے انسانی اور اس کے لئے غذاے انسانی اور سامان ضروریاتِ انسانی موقوف ہے، اس لئے میرا ذوق ادھر جاتا ہے، کہ یہ تعلیم ان علوم کی تھی جن کا تعلق علم معاش سے ہے، وہ علم معاش جو حق تعالیٰ کی معرفت اور اطاعت اور شکر نعمت کی طرف لے جائے، وَاشکرُوا اللہ ان کُنتم ایاہ تعبدُون یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبودیت اور بندگی کرتے ہو،

انسان کی وہ ساری عبادتین جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے دراصل وہ شکر ہی کی صورتین ہین، ملائکہ کی پیدایش تو طاعت اور اطاعت ہی کے لئے ہوئی ہے، لا یعصُون ما امر اللہ ان کی شان ہے، اور تسبیح و تقدیس ان کی غذا ہے لیکن یہ اطاعت اُن کے قصد و اختیار سے نہین اس لئے موجب ثمرات قصد و ارادہ نہین، اور پھر وہ طاعت و اطاعت مشاغل دنیا اور افکار و مساعی حصول خورد و نوش و دفع مضرات و رفع موانع اور مواقع صبر و شکر و قطع حرص و طمع وغیرہ رذائل و نقائص اور انہماک حیات دنیا کے لذائذ و آلام سے تمامتر خالی ہے، ملائکہ نے حضرت آدمؑ کی پیدایش کی غرض و غایت اطاعت و طاعت کی وہ صورت سمجھی تھی، جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنائی تھی، کہ دن رات وہ اس طاعت و عبادت مین مصروف ہین، اُن کا دوسرا کوئی شغل ہی نہین ہے، جو اس طاعت و عبادت سے مانع ہو، اور نہ ان مین جذبات بہیمیہ اور ہواے نفس ہے، جو ان کو بے قابو کرے، اس لئے انھون نے جب عرض کی،

وَنحنُ نسبّحُ بحمدِکَ وَنقدّسُ لک (بقرہ-۴) اور ہم تو آپ کی حمد و ثنا مین لگے ہی رہتے ہین

تو ارشاد ہوا :-

انّی اعلمُ ما لا تعلمُون (بقرہ-۴) یعنی مین وہ جانتا ہون جو تم نہین جانتے،

اور وہ یہ تھا کہ آدم کو طاعت و عبادت کی وہ راہ بتانی مقصود تھی، جو مادیات و جذبات اور خواہشون کی بیچ سے ہو کر نکلی ہے اس کے لئے ان کو آثار و صفات و خواص اشیاء کی تعلیم ہوئی، جو فرشتون کو نہین ملی تھی، کیونکہ ان کے کامون کے لئے ان کی ضرورت نہ تھی، انھون نے کہا :-

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔ (بقرہ - ۴)

یعنی پاک ہے پروردگار، یعنی تیرا کلام ہر اعتراض سے پاک ہے، ہم کو وہی معلوم ہے، جو تونے سکھایا، اصلی علم اور حکمت تو تیرے ہی پاس ہے،

غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت آدم کی صورت مین ایسی مخلوق کو بنا رہا تھا، اور اس کو اپنے اخلاق وصفات کی امانت سپرد کر رہا تھا، جو دنیا کو برت کر دین کو حاصل کرے، جو پیٹ کے جھگڑے مین پھنس کر قلب سے غفلت نہ کرے، جو دنیا کے لذائذ اور نعم سے گذر کر لذت ابدی کی طالب ہو، جو ضلالت اور غفلت کے ہر تماشے کے سامنے سے دلیرانہ گذرے، مگر اس مین پھنسکر خالق سے بے نیاز نہ ہو جو دنیا کے مشاغل مین الجھکر یاد الٰہی سے غافل نہ ہو جن کی یہ شان ہو،

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۝ (نور - ۵)

ایسے لوگ جن کو دنیا کے کاروبار اللہ کی یاد سے غافل نہین کرتے،

ہمارے حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ مین ملائکہ کی راہ مشاہدہ کی اور انسان کی راہ مجاہدہ کی ہے، اب ظاہر ہے کہ خالص طاعت وطاعت اور تسبیح و تقدیس کی وہ شکل جو ملائکہ کو عنایت ہوئی ہے، اور جس کا ان کو دعویٰ تھا، اس طاعت واطاعت اور تسبیح و تقدیس کی شکل سے الگ ہے، جو بنی آدم کے لئے مقرر فرمائی گئی، اس لئے آدم کو جو تعلیم فرمائی گئی، اس کا تعلق انہی علوم سے ہو سکتا تھا، جن کی ضرورت ملائکہ کو نہ تھی، پس یہ علوم جو شروع مین آدم کو عنایت ہوئے وہ وہی ہین، جن کا تعلق دنیا مین رہ کر اصولِ معاش سے ہے، جو نفوس انسانی مین آغازِ عالم سے ودیعت ہین، اور جن کو خالقِ فطرت نے ان کے دل ودماغ کے سپرد کیا ہے، اور جس کو تجربہ واختیار غور وفکر اور قیاس وعقل کے راستون سے وہ حاصل کرتا ہے، دوسرا علم جس کا دوسری آیت مین ذکر ہے،

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق - ۱)

یعنی انسان کو وہ سکھایا، جو وہ نہیں جانتا تھا،

اس کا اشارہ علوم ومعاد کی طرف ہے، جو تجربہ واختیار غور وفکر اور قیاس وعقل کے بجائے انبیاء علیہم السلام کی براہ راست وحی کے ذریعہ سے انسان کو عنایت ہوئے اور اسی لئے یہ آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی جو وحی ہین اتری پہلے علوم کا مقصد بقائے انسانی، غذائے انسانی، اور فراہمی سامان وضروریات

انسانی سے ہے، اور دوسرے علم کا مقصد انسان کے اس مقصد کی طرف رہنمائی ہے جس سے طاعت واطاعت کی شریعت معلوم ہو اور قلب کے صلاح وفساد اعمال کے خیر وشر اور معاملات کی خطا وصواب سے آگاہی ہو، جس سے اس دنیا وی بقا وغذا کی راہ سے آخرت کی زندگی اور راحت کا سامان ہو، غرض آغاز عالم مین تعلیم فطری کے گُر بتا کر جو علم بخشا گیا، اس کا تعلق ان علوم سے ہے، جو انسانون مین بغرض کسب معاش ودیعت رکھے گئے ہین، اور جن کو ہم تجربہ اور عقل وقیاس سے معلوم کرتے ہین، اور دوسرا علم علم شریعت ہے، جو انسان کی مادی بقا کا اصلی مقصد وغایت ہے، اور جس کا ماخذ محض وحی الٰہی ہے، پہلے علوم پیٹ کے علاج ہین، اور دوسرا علم قلب کی صلاح کی تدبیر، اور انہی دونون پر عالم کی بقا وصلاح کا مدار ہے، علوم معاش پر بقا کا اور علوم قلب پر صلاح کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کھانے کے بعد یہ دعا تعلیم فرمائی،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

یعنی شکر ہے اوس اللہ کا جس نے مجھے کھلایا اور پلایا، اور مجھے مسلمان بنایا،

درحقیقت اس دعا مین ان دونون نعمتون کو یکجا کیا گیا، پیٹ کو جس کا متکفل علم معاش ہے، اور دل کو جو مسلم سے عبارت ہے، جس کی ضمانت علم معاد وشرع کے ذریعہ سے فرمائی گئی ہے، اس موقع پر غذائے جسمانی کے ساتھ غذائے روحانی بھی یاد فرمائی گئی، اور پیٹ کے بھرنے کے ساتھ قلب کے سنورنے پر بھی انسان نے اس مالک کی حمد ادا کی، جو اس پیٹ سے اصل مقصود ہے، پیٹ بھرنا نفس کی شرارت کے لئے نہین، جیسا کفار وفساق نے سمجھا ہے، بلکہ پیٹ بھرنا قلب کے صلاح کے لئے ہے، کہ وہ دلجمعی سے حق تعالیٰ کی یاد مین مصروف اور اس کی طاعت واطاعت مین مشغول رہے،

تا تو نانے بکف آری وبہ غفلت نخوری

دین اسلام مین بندو پر طلبِ رزقِ حلال واجب ہے، اور قرآن پاک مین اللہ تعالیٰ نے اوس کو ابتغاءِ فضل اللہ سے تعبیر فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تلاش، تاجر صدوق کے بڑے بڑے مراتب ظاہر فرمائے ہین، اور ان تاجرون کو جو جھوٹی قسمون اور جھوٹی لفاظیون سے اپنی تجارت کو فروغ دین سخت وعید فرمائی گئی ہے، اسی طرح زراعت اور باغبانی کو بھی ایک نوع کی عبادت بتایا گیا ہے کیونکہ ہر دانہ جو اس محنت سے نکلتا ہے، اور ہر پھل جو اس سے پیدا ہوتا ہے، انسان تو انسان پرندے بھی جو اس کو کھاتے ہین وہ انسان کے ثواب کے ثمرات کو بڑھاتے ہین، اسی طرح اہل وعیال کے رزق کے لئے جو

کوشش کی جاتی ہے، اوران کے منہ مین جو لقمہ بھی جاتا ہے وہ مرد مومن کے لئے اجر کا باعث ہوتا ہے، اسی طرح معاملات داد وستد مین حسن سلوک، قرضۂ حسنہ، صدقات وخیرات وتبرعات، غرض جملہ مالی معاملات جو لوجہ اللہ اور تحت احکام الٰہی ہون رضاے الٰہی کا موجب ہین، علی ہذا سلطان عادل بھی زمین پر خدا کی رحمت کا سایہ ہے، سلطنت وحکومت، نظم ونسق، عدل وانصاف، جہاد وغزا، فصل قضا، اور وہ تمام امور جو سیاست سے متعلق ہین، وہ تحت احکام الٰہی عبادات مین داخل ہین، پھر مصائب پر صبر، مشکلات مین توکل علی اللہ، استقامت فی الدین، اور اسی قسم کے دوسرے اخلاق وفضائل بھی قرب الٰہی کے ذرائع ہین، میرا مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی مین جب آدم کو مسجود ملائکہ بنایا، تو یہ طے فرما دیا تھا، کہ نسل آدم کے لئے معرفت و عبادت اور قرب الٰہی کے راستے اور وسیلے اور ذریعے فرشتون کی خاص تسبیح وتقدیس کے ذریعون سے جن کو وہ قرب ورضاے الٰہی کا تنہا ذریعہ سمجھتے تھے، الگ ہین اور اس نے مجاہدہ کی اس دشوار گذار گھاٹی سے نکال کر بنی آدم کے لئے اپنی معرفت واطاعت کی شاہراہ الگ مقرر فرما دی تھی، سورۂ بلد مین اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے، ارشاد ہے:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ	ہم نے انسان کو مشقت مین پیدا کیا ہے،
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْہِ	کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہین پا سکتا،
اَحَدٌ، یَقُوْلُ اَهْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا	کہتا ہے کہ ہم نے بڑا مال اپنا برباد کیا، کیا اس کا
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَہٗ اَحَدٌ اَلَمْ	یہ گمان ہے کہ اس کو کوئی نہین دیکھتا، کیا ہم نے اسکی
نَجْعَلْ لَّہٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ	دو آنکھین ایک زبان اور دو ہونٹ نہین بنائے اور اسکو
وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ فَلَا اقْتَحَمَ	(خیر وشر کے) دونون راستے سوجھا دئے، وہ گھاٹی مین سے
الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ	ہو کر نہین نکلا، تمھین کس نے بتایا کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟
فَکُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ	(غلامی یا قرض سے دبی ہوئی گردن (کی بندش)
ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ	کو کھولنا یا بھوک کے دن مین کسی قرابت دار یتیم
مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ کَانَ مِنَ	یا خاک مین پڑے ہوئے محتاج کو کھانا کھلانا، پھر یہ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ	کہ ایمان والون مین سے ہو اور مجاہدات مین برداشت کی
تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ	اور آپس مین مہر وشفقت کی ایک دوسرے کو نصیحت کرین،

([illegible])

اب اجمال کے طور پر یہ سمجھین کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہین، کہ انسان اس دنیا مین مشقت اور محنت اور مجاہدہ ہی کے لئے پیدا ہوا ہے، اس کو دین مین یا دنیا مین جو کچھ ملے گا، اوس کی محنت ومشقت ہی سے ملے گا، جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے:۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی،	یعنی اور نہین ہے انسان کے لئے لیکن وہی
(نجم۔۳)	جس کی اوس نے کوشش کی،

اسی لئے اس کو دولت عطا فرمائی، اسی لئے آنکھین، زبان اور ہونٹھ اور دوسرے اعضا اس کو عنایت ہوئے کہ ان سب کو حکم الٰہی کے ماتحت کام مین لاکر دنیا اور آخرت کے مدارج حاصل کرے، اوس کو خیر وشر کی دونون راہین بتا دی گئی ہین،

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا،	یعنی اس کو گنہگاری اور پرہیزگاری
(شمس۔۱)	دونون کا الہام کر دیا گیا،

اب اوس کا فرض ہے کہ وہ اس گھاٹی مین سے ہو کر پار نکلے اور منزل مقصود تک پہنچے، یہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ ایمان اور عمل صالح کا حصول اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری طرح ادا کرنا ہے،

غرض یہ ساری آیتین بنی آدم کی شاہراہ معرفت کی نشاندہی کر رہی ہین، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح وتقدیس کے ملکوتی طریق معرفت کے ساتھ ساتھ اس کے علاوہ بنی آدم کے لئے مزید ذریعے اور طریقے جو خاص انہی کے لئے مخصوص تھے، مقدر فرمائے اور

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ۔۴) یعنی مین وہ جانتا ہون جو تم نہین جانتے،

کا ارشاد الٰہی پورا ہوا،

حاصل کلام یہ ہے کہ فرشتون سے الگ انسانون کے لئے اور نسل بنی آدم کے لئے جو امور ومعاملات ان کی زندگی کے مقررہ اوقات کے بخوبی بسر کرنے کے لئے مقدر فرمائے گئے ہین، وہ معرفت الٰہی اور اطاعت الٰہی کے ذرائع اور وسائل ہین، اور یہی نسل بنی آدم کی مزیت اور فضیلت ہے، کہ وہ معاشی ومعادی دونون مجاہدات سے گذر کر اللہ تعالیٰ تک پہونچ سکتی ہے،

اس تقریر کی بنا پر ہمارے ذمہ دو قسم کے علوم کی تعلیم اور طلب ضروری ہوئی، ایک وہ جس سے امور معاش حاصل ہون، اور دوسرے وہ جن سے علوم معاد کی راہ کھلے اور دونون اگر احکام الٰہی کے تحت مین ہون،

تو ہمارے لئے قرب و رضا کے حصول کے ذرائع ہیں،

ہمارے یہ مدرسے اس زمانہ میں جب اسلام کی سلطنت تھی، دونوں علوم کے لئے کافی تھے، علما ہی ان علوم کو پڑھکر سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر پہنچتے تھے یا تجارت کی دوکانوں پر بیٹھتے تھے، اور دوسرے ذرائع معاش پیدا کرتے تھے، ساتھ ہی علوم دین کے سرچشمے سے بھی سیراب ہوتے تھے، مگر اب جب سے زمانہ کا رنگ بدل گیا ہے، ہمارے یہ مدرسے زیادہ تر علوم معاد کی تعلیم کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں اور علوم معاش کے لئے سرکاری انگریزی مدرسے کھولے گئے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ان معاشی مدرسوں کے طالب علم معاد کے علوم سے بے بہرہ رہتے ہیں، اور عربی مدرسوں کے فارغ معاش کی طرف سے پریشان رہتے ہیں، اسی سبب سے کہ عربی تعلیم شریف اور اونچے خاندانوں سے رخصت ہو رہی ہے، اور اب ہمارے عربی مدرسے صرف غریبوں سے آباد ہیں، ضرورت ہے کہ ہمارے اہلِ فکر اس کے تدارک کا سامان کریں اور اس کی صورت یہی ہے، کہ معاشی مدرسوں میں مذہبی تعلیم کا اور مذہبی تعلیمگاہوں میں ایسی تعلیم کا بھی بندوبست کیا جائے، جو رزق کی راہ بھی کھولے،

ہمارے علوم معاد تو درحقیقت تفسیر و حدیث و فقہ و کلام ہیں اور ان کے لئے بطور آلہ کے صرف و نحو و ادب ہیں ان کے علاوہ یونانی عقلیات کا بڑا دفتر ہے، ضرورت ہے کہ علوم آلیہ یعنی صرف و نحو و ادب کی تعلیم میں سہولت کی راہ اختیار کی جائے اور سخت و مشکل و پیچیدہ کتابوں کی جگہ آسان سہل اور واضح کتابیں رکھی جائیں اور علوم عقلیہ کے متعلق اب ہمارے علما کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ علوم ہمارے اسلاف نے صرف اس لئے اختیار کئے تھے کہ ان کے ذریعہ سے ابنائے زمانہ کے شکوک و شبہات دور کئے جائیں اب نہ وہ لوگ رہے ہیں، نہ ان کے وہ شکوک رہے ہیں اب ان شکوک و شبہات کے دروازے دوسرے علوم ہیں، اب ضرورت یہ ہے کہ ہمارے علما ان نئے علوم سے واقف ہوں اور ان کے ذریعہ سے اس زمانہ کے شکوک و شبہات کا ازالہ کریں،

ہمارے زمانہ میں ہمارے مدارس میں دوسری سب سے بڑی کمی یہ ہو گئی ہے کہ ہمارے سلف صالحین کی مجالس تعلیم اگر یعلمھم اور یزکیھم یعنی تعلیم اور تزکیہ دونوں نبوی طریقوں کی جامع تھیں تو یہ صرف یعلمھم یعنی تعلیم کا مظہر رہ گئے ہیں اور یزکیھم یعنی تزکیہ کا نور ہماری درسگاہوں سے سمٹتا جا رہا ہے، اب نبوی طریق مدرسہ و خانقاہ میں بٹ گیا ہے، مدرسے تزکیہ کے نور سے اور خانقاہیں تعلیم کی روشنی سے خالی ہیں، بڑی ضرورت ہے کہ ان دونوں کی خصوصیتوں کو پھر ایک چہار دیواری میں جمع کیا جائے، اس کے بغیر یہ عربی مدرسے مذہبی مدارس نہیں کہے جا سکتے، اور نہ ان کے فارغین کے ذریعہ سے مسلمانوں کی ہدایت کا کام پورا ہو سکتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم میں بھی اس پہلو پر زور دیا جائے اور تربیت میں اس پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے اور ایسے مدرسین کا انتخاب کیا جائے جو علم و عمل دونوں کے جامع ہوں اور خصوصیت کے ساتھ اہل دل کی صحبتوں اور کتابوں کے مطالعہ کا شوق ان کے دل میں پیدا کیا جائے، اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ،

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیہ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمن (علیگ) رفیق دار المصنفین

(۳)

خواجہ بختیار کاکیؒ

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی قدس سرہٗ قصبہ اوش (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے بختیار نام اور قطب الدین خطاب تھا، حسینی سادات میں سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے:-

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بن سید کمال الدین بن سید موسیٰ بن سید احمد اوشی بن سید کمال الدین ابن سید محمد بن سید احمد بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن حضرت نقی الجواد ابن علی موسیٰ رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہم[2]

ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیا، اور پانچ برس کے سن سے ایک نیک اور صالح بزرگ ابو حفص سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی، اور ان سے ظاہری علم کے علاوہ باطنی علوم اور سلوک کے آداب و طریق کی بھی تعلیم حاصل کی، اوائل عمر سے ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہنے لگے، جب خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ورود اوش میں ہوا تو ان سے شرف بیعت حاصل کیا، اور سترہ سال کی عمر میں ان سے خرقۂ خلافت پایا[3]

[1] گذشتہ صفحات میں خواجہ معین الدینؒ اجمیری کی ایک تصنیف "رسالہ در کسب نفس" کا ذکر کیا گیا تھا، یہ رسالہ میری نظر سے نہیں گذرا، اس لئے اس پر کسی قسم کی روشنی نہیں ڈالی جا سکی، اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں ہے، دیکھو کیٹلاگ نمبر ۱۱۷۶، [2] سیر الاقطاب ص ۱۴۳ و خزینۃ الاصفیاء ص ۲۶۹، [3] سیر العارفین ص ۲۶، سیر الاقطاب ص ۱۴۲ میں ہے کہ اوش سے نکلکر حضرت بختیار کاکیؒ بغداد پہونچے، اور یہاں امام ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں خواجہ

تذکرہ نگارون کا بیان ہے کہ وہ رات دن مین پانچ سو رکعت نماز ادا کرتے تھے، اور ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر حضور قبلۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار مین ہدیہ بھیجا کرتے تھے، شادی کی ابتدائی تین راتون مین یہ معمول ناغہ ہوگیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس احمد نامی ایک زاہد کو خواب کے ذریعہ سے یہ پیام دیا کہ وہ قطب صاحب سے دریافت کرین کہ آخر یہ بے نیازی کیون؟ یہ سُن کر قطب صاحب نے اسی وقت بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دیا، حالانکہ شادی کو کُل تین روز گذرے تھے[1]، دنیاوی علائق سے چھٹکارا پاکر وہ بغداد گئے، اور شیخ بہاء الدین سہروردی، اوحد الدین کرمانی اور جلال الدین تبریزی جیسے بزرگون کی صحبت مین شریک رہے، اسی اثنار مین ان کو خبر ملی کہ خواجہ معین الدین چشتی خراسان سے ہندوستان جارہے ہین، مرشد کے شوق ملاقات مین وہ بھی ہندوستان روانہ ہوگئے، شیخ جلال الدین تبریزی ان کی فرقت گوارا نہ کرسکے، اس لئے وہ بھی ان کے ساتھ ہوگئے،

ملتان مین یہان کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہٗ کمال محبت و شفقت سے ملے، اس لئے قطب صاحب نے وہان کچھ دنون تک قیام فرمایا، اسی اثنار مین مغلون نے ہندوستان پر یورش کی، ملتان کا حاکم قباچہ قطب صاحب سے فیوض و برکات کا طلب گار ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ انہی کی کرامت سے مغل شکست کھاکر فرار ہوئے[2]، ملتان سے قطب صاحب دہلی آئے، اور جلال الدین تبریزی کو وہان سے غزنین کی طرف بھیجا، قطب صاحب دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش نے ان کا استقبال کیا، اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا، لیکن قطب صاحب نے کیلو کھری مین سکونت پسند کی، سلطان التمش ہفتہ مین دو بار قطب صاحب کی خدمت مین حاضر ہو کر ان کے فیوض سے مستفیض ہوتا تھا، آخر مین سلطان کے اصرار سے مجبور ہو کر قطب صاحب شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہوگئے، اور ملک عین الدین کی مسجد میں قیام فرمایا[3]،

یہان سے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت مین شوق ملاقات اور اشتیاق قدمبوسی کا عریضہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۳) معین الدین چشتی سے شرف بیعت حاصل کیا، اس مجلس مین شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی، اور شیخ محمد اصفہانی بھی تھے، سیر الاقطاب ص ۱۴۴،

[1] سیر العارفین ص ۴۹ سیر الاقطاب ص ۱۵۶ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۷۲ اخبار الاخیار میں بیوی کو طلاق دینے کا ذکر نہیں[2] سیر الاقطاب ص ۱۴۹، سیر العارفین ص ۴۹ [3] سیر العارفین ص ۴۹، ۴۷،

ارسال کیا، خواجہ صاحب اپنے مہجور مرید کی تشنگی بجھانے کے لئے خود دہلی تشریف لائے، یہان کے تمام خواص و عوام اور مشائخ کبار ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے ان کی خدمت مین حاضر ہوئے، مگر دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری نہ آئے، خواجہ صاحب خود ان سے ملنے گئے، انھون نے شکایت کی کہ قطب صاحب کے ساتھ لوگون کی گرویدگی اور فریفتگی کی وجہ سے ان کا وقار اور دبدبہ معرض خطر مین آگیا ہے،

اس لئے شیخ الاسلام کی خاطر خواجہ صاحب نے قطب صاحب کو دہلی چھوڑ کر اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، التمش نے بڑی منت و زاری کی، لیکن خواجہ صاحب قطب صاحب کو لے کر روانہ ہوئے، دہلی کے باشندون نے قطب صاحب کو جاتے دیکھا تو عاشق زار کی طرح آہ و بکا کرنے لگے، جس جگہ قطب صاحب قدم رکھتے تھے وہان کی خاک اُٹھا کر تبرک کا آنکھون سے لگاتے تھے، خواجہ صاحب نے دہلی والون کو قطب صاحب پر ایسا شیفتہ اور فریفتہ پایا، تو ارشاد فرمایا کہ "بابا قطب الدین! تم یہین رہو، تمھارے چلے جانے سے دہلی کے لوگون کا دل خراب و کباب رہے گا، مجھ کو یہ منظور نہین" چنانچہ آخر وقت تک وہ دہلی ہی مین مقیم رہے،

قطب صاحب کے قیام سے شاہی دربار پر غیر معمولی اثر پڑا، شمس الدین التمش ان کی خدمت مین حاضر ہوتا تو وہ اس کو رعایا پروری اور فقیرون، غریبون اور درویشون کے ساتھ دوستی کی تلقین فرماتے، اور التمش اس پر عمل کرتا، چنانچہ قطب صاحب خود فوائد السالکین مین فرماتے ہین:-

"اس کا (یعنی التمش کا) اعتقاد صحیح تھا، راتون کو وہ جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہین دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر مین کھڑا رہتا، اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا، اٹھ کر وضو کرتا اور مصلّی پر جا بیٹھتا، اپنے نوکرون مین سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام سے سونے والون کو تکلیف کیون دی جائے، رات کو وہ گدڑی پہن لیتا، تاکہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو اور کسی شخص کو ساتھ لے کر باہر نکل جاتا، اس کے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا، اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، ان کے حالات پوچھتا، اور ان کی مدد کرتا، وہان سے واپس ہوتا، تو مسجدون، ویرانون، خانقاہون، اور بازارون مین گشت کرتا، اور ان جگہون کے رہنے والون اور درویشون کو مالی مدد پہنچاتا، طرح طرح کی معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کرین، نون

کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی، کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں، اس کے پاس لائے جائیں، اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمیں دے کر تلقین کرتا، کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے، یا کوئی ان پر ظلم کرے، تو وہ یہاں ... آکر عدل و انصاف کی زنجیر کو جو باہر لٹکی ہوئی ہے، ہلائیں' تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی؛[1]

التمش کی اس نیک نفسی کی وجہ سے تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر اولیاء اللہ کی فہرست میں کیا ہے؛ چنانچہ خزینۃ الاصفیاء کے مولف کا بیان ہے کہ

"بادشاہ رحم دل و عادل و سلطان کامل و مکمل از خلفائے نامدار و مریدان با وقار خواجہ قطب الدین بختیار است، و از محبوبان و منظوران خواجہ معین الدین سجزی بود، و کمال اعتقاد بخدمت حضرات اہل چشت نیک سرشت پیدا کرد، اگرچہ بظاہر تعلق بادشاہی داشت، لیکن از دل فقیر و حقیر دوست بود، کم خوردی و کم خفتی و شبہائے دراز بیدار بودے ..."[2]

ان اوصاف کے باوجود التمش پر آخرت کے انجام کا خوف غالب رہتا، خواجہ قطب الدینؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں :-

"ایک رات وہ (یعنی التمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤں پکڑ لیا، میں نے کہا کہ مجھ کو کب تک تکلیف پہنچاتے رہو گے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا رب العزت نے مجھ کو مملکت تو دی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی بازپرس ہوگی، اور اس کا حساب دینا ہوگا تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت تک واپس نہ گیا جب تک کہ میں نے اس کی بات قبول نہ کر لی۔"[3]

مگر بادشاہ وقت کی اس ارادت و نیازمندی کے باوجود قطب صاحبؒ کے گھر میں برابر فاقہ رہتا، جب کبھی فاقوں کی نوبت آجاتی تھی، تو اُن کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ

[1] فوائد السالکین ص ۲۹، ۲۸، [2] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۷۰، [3] فوائد السالکین ص ۲۹،

یا ایک بہلول قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتی تھیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو وہ قرض ادا کر دیا جاتا تھا، ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے طنزاً کہا کہ "میں تم کو قرض نہ دوں تو تمھارے بچے بھوکوں مر جائیں"، قطب صاحبؒ کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ حجرہ کے طاق میں سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر جس قدر کاک کی ضرورت ہو نکال لیا کرو اور بچوں کو کھلا دیا کرو، چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی کیا کرتی تھیں، اسی لئے قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام سے مشہور ہوئے؛[1]

لیکن اس ناداری پر بھی جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی، فوراً تقسیم کر دیتے، جس روز کوئی چیز نہ ہوتی، تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دور چلاؤ کہ کوئی روز بخشش اور عطا سے خالی نہ رہے؛[2]

استغنار کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، لوگ دفن کر کے واپس آئے تو قطب صاحبؒ کی زوجۂ محترمہ وفور غم سے گریہ وزاری کرنے لگیں، قطب صاحبؒ نے لوگوں سے گریہ وزاری کا سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، ارشاد فرمایا کہ میں جانتا تو اس کی زندگی کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کرتا،

ایک بار شاہی حاجب اختیار الدین ایبک قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا، اور کئی گاؤں بطور نذر پیش کئے، قطب صاحبؒ نے اس کو بلایا، اور اپنی جانماز کا گوشہ الٹ کر نیچے دیکھنے کے لئے کہا، اختیار الدین نے چشم بینا سے خزائن الٰہی کا دریائے ذخار بہتے ہوئے دیکھا، پھر اختیار الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ جس کے یہاں خزائن الٰہی کا دریا بہتا ہو، وہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا، جاؤ، آیندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا،[3]

سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے، ایک بار شیخ علی سجستانیؒ کی خانقاہ میں محفل سماع تھی، قوال نے

[1] سیر العارفین ص ۲۴ و ۲۵ و سفینۃ الاولیاء ص ۹۲، سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ قطب صاحب نے حزم و احتیاط کی خاطر قرض لینا بند کر دیا، اور مصلے کے نیچے روز ایک قرص مل جاتی، جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گزر اوقات کرتے (ص ۱۵۱) اخبار الاخیار میں ہے کہ بقال سے جب قرض لینا بند کر دیا گیا، تو وہ سمجھا کہ قطب صاحب ناخوش ہیں، اپنی بیوی کو قطب صاحب کی اہلیہ کے پاس بھیجا، انھوں نے قطب صاحب کے کشف کا ذکر کر دیا، اس کے بعد مصنف مذکور کا بیان ہے کہ کاک مصلی کے نیچے پھر نہ ملی، (ص ۲۵) [2] راحت القلوب ص ۱۴۰، اردو ترجمہ [3] سیر الاقطاب ص ۱۵۱،

جب یہ شعر پڑھا،

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

تو قطب صاحب پر وجد طاری ہوگیا تین دن اور تین رات لگاتار اسی حالت میں رہے، جب نماز کا وقت آتا تو وضو کرکے فرض اور سنتیں ادا کرلیتے، اور پھر اسی سکر کی حالت میں ہو جاتے، یہاں تک کہ واصل بحق ہوگئے، اسی لئے ان کو شہید المحبت کہا گیا ہے امیر حسن نے اس بیت پر ایک غزل کہی ہے، اور اس میں قطب صاحب کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے،

جان برین یک بیت داد است آن بزرگ آرے این گوہر کانے دیگر است

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

سنہ وفات ۶۳۳ھ ہے، وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، یہ شرطیں صرف سلطان التمش کی ذات میں پوری ہوتی تھیں، اس لئے اسی نے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی[1]،

قطب صاحبؒ نے عبادت، ریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اٹھائی تھیں، بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے، اور نہ زمین سے پیٹھ لگائی، چنانچہ خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ ان کو ملک المشائخ، سلطان الطریقت، برہان الحقیقت، رئیس السالکین، امام العالمین، سراج الاولیا، تاج الاصفیا کے القاب سے یاد کرتے ہیں[2]، اور عام طور سے وہ "قطب الاقطاب اور قطب الاسلام" کے لقب سے مشہور ہیں،

قطب صاحب کے نام سے دو کتابیں منسوب ہیں، ایک دیوان اور ایک **فوائد السالکین**، دیوان نولکشور پریس سے چھپ کر شائع ہوا ہے، اس کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ واقعی ان ہی کا ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنے سے پرہیز کرتے ہیں،

فوائد السالکین میں ان کی سات صحبتوں کے ملفوظات ہیں، جن کو ان کے مرید خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے جمع کیا ہے، یہ ۳۲ صفحہ کا گویا ایک مختصر مطبوعہ رسالہ ہے[3]، مگر اس میں وہ تمام باتیں آگئی ہیں، جو ایک سالک کے لئے مفید ہو سکتی ہیں، یہ باتیں جستہ جستہ مختلف صحبتوں میں لکھی گئی تھیں جن کا تجزیہ کرکے سالک کے لئے

[1] [illegible] خزینۃ الاصفیا ص ۲۷۸ [2] فوائد السالکین ص ۲ [3] یہ رسالہ مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا تھا،

مندرجہ ذیل ضوابط مرتب کئے جا سکتے ہیں،

سالک کم کھائے، اگر وہ پیٹ بھرنے کے لئے کھاتا ہے، تو وہ نفس پرست ہے[1]، کھانا صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کے لئے کھائے، اس کے لباس میں نمائش نہ ہو، اگر وہ دکھانے کے لئے لباس پہنتا ہے، تو وہ سلوک کا راہزن ہے[2]، کم سوئے، کم بولے، آلائش دنیا سے پاک رہے، حضرت بایزید بسطامیؒ نے ستر سال تک عبادت کی، اور جب مقام قرب آیا تو ان کو قربت محض اس وجہ سے حاصل ہو سکی کہ ان کے پاس مٹی کا کوزہ اور چمڑے کا خرقہ تھا، جب ان کو پھینک دیا تو یہ درجہ حاصل ہوا[3]،

سالک ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہے اور سکر میں اس کا یہ حال ہو کہ اس کے سینہ میں زمین اور آسمان داخل ہو جائیں تو بھی اس کو خبر نہ ہو، اگر سالک راہ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے تو محبت کا دعویدار نہیں، بلکہ کاذب اور دروغ گو ہے، سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے، کہ اس بہانہ سے دوست نے اس کو یاد تو کیا[4]، چنانچہ رابعہ بصریؒ پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی، وہ نہایت خوش ہوتی تھیں، اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی، وہ بہت ہی ملول خاطر رہتیں کہ دوست نے ان کو یاد نہ کیا[5]، خواجہ معین الدینؒ بھی فرماتے تھے، کہ محبت کا دعوی اسی کو کرنا چاہئے جو دوست کی بلا پر صبر کر سکے کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے، جس روز یہ بلا نازل نہ ہو سمجھنا چاہئے، کہ یہ نعمت اس سے لے لی گئی، کیونکہ راہ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں[6]،

ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ مشائخ طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسی درجے رکھے ہیں لیکن اولیائے طریقہ جنیدیہ نے سو درجے، صوفیائے طریقۂ ذوالنون نے ستر درجے قائم کئے ہیں، طبقۂ ابراہیم بشر حافی میں کل پچاس درجے شمار کئے جاتے ہیں، خواجہ بایزید بسطامیؒ، عبداللہ مبارک اور خواجہ سفیان ثوری فرماتے ہیں، کہ سلوک کے کل پینتیس درجے ہیں، اولیائے طریقۂ شاہ شجاع کرمانی ہمنوں محبت اور خواجہ مرتعش کے نزدیک سلوک میں بیس ہی درجے ہیں، مگر مشائخ چشتیہ سلوک میں صرف پندرہ درجے شمار کرتے ہیں، ان درجات میں ایک درجہ کشف و کرامت کا ہے، جن کے نزدیک سلوک میں ایک سو اسی درجے ہیں، ان میں ۸۰ واں درجہ کشف و کرامت کا ہے، طبقۂ جنیدیہ میں سترواں، طبقۂ بصریہ میں تیسواں

[1] فوائد السالکین ص ۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۳،

[4] فوائد السالکین صفحہ ۱۱ [5] ایضاً [6] ایضاً

طریقہ ذوالنون مصری میں پچیسواں، شاہ شجاع کرمانی کے نزدیک دسواں اور خواجگان چشت کے یہاں پانچواں درجہ ہے، اس درجہ کے حاصل کرنے کے باوجود سالک کو کشف و کرامت میں اپنی ذات کو ظاہر کرنا نہیں چاہئے، کیونکہ اس کے اظہار سے بقیہ درجات سے وہ محروم ہو جاتا ہے[۴۹]

قطب صاحبؒ نے اسرار الٰہی کو پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے، فرماتے ہیں کہ راہ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہئے، کہ اسرار جاگزین ہو سکیں اور فاش نہ ہونے پائیں، کیونکہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہیں کرتا، چنانچہ قطب صاحبؒ کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک خواجہ معین الدینؒ کی صحبت میں رہے، لیکن کسی حال میں بھی انھوں نے اسرار الٰہی ظاہر ہونے نہ دیئے، قطب صاحبؒ کے نزدیک منصور عارف کامل نہ تھا، کیونکہ اس نے سرِ دوست کو ظاہر کر دیا[۵۰] حضرت جنید بغدادیؒ پر عالم سکر میں کتنی گھڑیاں گذرتیں لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ

"ہزار افسوس اس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے، اور جب عالم غیب کے اسرار اس کو معلوم ہوں تو فوراً ان کو دوسرے کے سامنے کہدے"[۵۱]

قطب صاحبؒ نے شریعت کی پابندی سالک کے لئے لازمی قرار دی ہے، سالک سکر یا کسی حال میں ہو اس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہئے، چنانچہ وہ خود ایک بار کئی دنوں تک عالم سکر میں بیہوش رہے، لیکن جب نماز کا وقت آتا تو ہوش میں آجاتے، اور نماز ادا کر کے پھر بیہوش ہو جاتے۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ اسم گرامی محمد تھا، مگر حمید الدین کے نام سے مشہور تھے، ان کے والد ماجد عطاء اللہ محمود البخاری سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں بخارا سے دہلی تشریف لائے اور یہیں ان کا انتقال ہوا،

والد بزرگوار کے انتقال کے بعد ان کو ناگور کی قضاۃ تفویض ہوئی، اس عہدہ پر تین سال تک مامور رہے، اس کے بعد دنیا سے دل برداشتہ اور کنارہ کش ہو کر سفر کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، بغداد شریف آئے، اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا، ایک سال تک ان کی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے، اسی زمانہ میں یہاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ بھی تشریف فرما تھے، ان سے گہرے روابط و مراسم قائم کئے، جو آخر وقت تک استوار رہے،

[۴۹] فوائد السالکین ص ۲۰-۱۵ [۵۰] ص [illegible] [۵۱] ص [illegible] [۵۲] ص ۱۸

مرشد سے اجازت لے کر قاضی حمید الدینؒ مدینہ منورہ آئے، اور ایک برس دو مہینہ سات روز تک روضۂ نبوی کے مجاور رہے، وہاں سے بیت اللہ پہونچے، یہاں تین سال تک قیام کر کے ہر قسم کے فیوض و برکات حاصل کئے، مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی تشریف لائے، اور حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار کاکیؒ کے ساتھ قیام کیا، اور وفات کے بعد ان ہی کے پہلو میں دفن ہوئے، سنہ وفات ۶۷۳ھ ہے،

ان کی بیعت اگرچہ سلسلۂ سہروردیہ سے تھی، مگر بختیار کاکیؒ سے گہرے تعلقات کی بنا پر وہ چشتی بھی سمجھے جاتے ہیں، حضرت سید اشرف جہانگیرؒ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ خواجہ بختیار کاکیؒ نے ان کو خرقۂ خلافت بھی عطا کیا تھا، سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلفاء میں سے تھے (ض)

سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے اور اس ذوق کی وجہ سے، علمائے ظاہر نے ان کے خلاف فتوے بھی دیئے، مگر انھوں نے کسی کی پرواہ نہ کی، اور اس سے اپنا عشق بدستور قائم رکھا،

سیر العارفین کے مصنف نے ان کو علم اور وقار کا کوہ قاف، بحر اسرار کا نہنگ، رہروان منازل نامتناہی کا پیشوا اور سفیان ثوری ثانی کہا ہے[۵۱] ان کا عام لقب سلطان التارکین ہے، اخبار الاخیار میں مولانا عبد الحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں :-

"او جامع بود میانِ علوم شریعت و طریقت و حقیقت"[۵۲]

سفینۃ الاولیاء میں ہے :-

"در تجرید و تفرید و یگانہ عصر و از متقدمان مشائخ ہند و جامع میانِ علوم ظاہری و باطنی و صاحب کرامات و مقامات علیہ بودند"[۵۳]

صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ سلوک و اسرار میں ان کی تصانیف بکثرت ہیں، مولانا عبد الحق محدث دہلوی بھی لکھتے ہیں :-

"قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار است"[۵۴]

مگر ہم کو صرف ان کی ایک کتاب **طوالع الشموس** کا پتہ چلا ہے، اس میں باری تعالیٰ کے ننانوے نام کی شرح ہے، اور دو جلدوں پر مشتمل ہے، اس کے بارے میں مولانا عبد الحق گوہر افشانی فرماتے ہیں

[۵۱] سیر العارفین ص ۶۲ [۵۲] اخبار الاخیار صفحہ ۳۶ [۵۳] سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۶۰ [۵۴] اخبار الاخیار صفحہ ۳۶،

ہر جا موج موج از اسرار حقیقت و فوج فوج از معانی طریقت است، متعسر است جمیع

مواضع او در متانت و حرارت و حالت متشاکل و متشابہ واقع شدہ؛

خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ

اسم گرامی مسعود، لقب فریدالدین تھا، مگر عام طور سے گنج شکر کے نام سے مشہور تھے، گنج شکر کی وجہ تسمیہ مختلف بتائی جاتی ہے، سیرالعارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ جس زمانہ مین حضرت فریدالدینؒ اپنے مرشد خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت مین تربیت پا رہے تھے، تو ایک بار انھون نے سات دن تک متواتر روزے رکھے، افطار کے وقت اپنے حجرے سے غزنین دروازہ سے خواجہ بختیار کاکیؒ کے پاس جا رہے تھے کہ ایک جگہ کیچڑ مین پاؤن پھسل گیا، زمین پر گر پڑے، کیچڑ منہ مین چلی گئی، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت سے وہ شکر بن گئی، جب مرشد کی خدمت مین پہنچکر یہ واقعہ بیان کیا، تو انھون نے فرمایا کہ اگر مٹی تمھارے منہ میں جاکر شکر بنگئی تو خداوند تعالیٰ تمھارے سارے وجود کو شکر بنا دے گا، اور تم ہمیشہ شیرین رہوگے، اسی کے بعد گنج شکر مشہور ہوگئے[1]، سیرالاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار خواجہ فریدالدینؒ نے متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار مین کوئی چیز کھانے کو نہ ملی، حالت گرسنگی مین رات کو سنگریزے منہ مین رکھ لئے، یہ سنگریزے شکر ہوگئے، جب یہ خبر خواجہ بختیار کاکیؒ کو پہونچی، تو فرمایا، کہ فرید گنج شکر ہے[2]، خزینۃ الاصفیاء کے مولف نے تذکرۃ العاشقین کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ ایک سوداگر اونٹون پر شکر لادکر ملتان سے دہلی کی طرف جا رہا تھا، جب وہ اجودھن پہونچا، تو شیخ فریدالدینؒ نے اس سے پوچھا، کہ اونٹون پر کیا ہے؟ سوداگر نے تمسخر سے جواب دیا، کہ نمک ہے، شیخ فریدالدینؒ نے یہ سُن کر کہا کہ بہتر ہے نمک ہی ہوگا؛ سوداگر جب اپنی منزل مقصود پر پہونچا، تو اونٹون پر شکر کے بجائے نمک پاکر سخت گھبرایا، اسی وقت واپس ہوا، اور شیخ فریدؒ کی خدمت مین پہونچکر اپنی تقصیر کی معافی چاہی، شیخ نے فرمایا، کہ اگر شکر تھی تو شکر ہوجائیگی؛ اور نمک شکر مین تبدیل ہوگیا، بیرم خان خانخانان نے اس واقعہ کو منظوم بھی کیا ہے، اس کا ایک شعر ہے:

کان نمک جہان شکر شیخ بحر و بر　　آن کز شکر نمک کند و از نمک شکر

ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ فریدالدینؒ جب جنگلون اور پہاڑون مین ریاضت کر رہے تھے، تو ایک روز ان کو سخت پیاس معلوم ہوئی، وہ ایک کنوین کے پاس پہونچے، لیکن وہان ڈول اور ڈوری نہ تھی اسلئے ناامید ہوکر کنوین کے قریب کھڑے ہوگئے، تھوڑی دیر مین دو جنگلی ہرن کنوین کے پاس آئے، کنوین کا پانی

[1] سیرالعارفین اردو ترجمہ ص ۲۹ [2] سیرالاقطاب صفحہ ۱۶۵ [3] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۹۲،

ابل کر کنارہ تک آگیا، دونون ہرنون نے اپنی پیاس بجھائی شیخ فریدالدینؒ بھی پانی پینا چاہتے تھے، کہ پانی اپنی گہرائی مین چلاگیا، شیخ فریدالدینؒ متحیر ہوئے، آسمان کی طرف اپنا چہرہ اٹھاکر کہا، الٰہی! ہرنون کو تونے پانی پلادیا، اور اپنے بندے کو کیون محروم کر دیا،" آواز آئی کہ تونے ڈول اور ڈوری پر توکل کیا، اور ان جانورون نے مجھ پر توکل کیا تھا، اس لئے تم محروم رہے، اور دونون ہرن سیراب ہوئے، یہ سُن کر شیخ فریدالدینؒ متاسف ہوئے، اور نفس کشی کی خاطر چالیس روز تک چلہ معکوس کیا، اور پانی کا ایک قطرہ بھی منہ مین نہ ڈالا، چلہ ختم ہوا تو ایک مٹھی خاک منہ مین بھر لی جو فوراً شکر ہوگئی، غیب سے آواز آئی،

"اے فرید چلہ تو قبول کردم و برگزیدم و در گروہ شیرین سخنان ترا گنج شکر گردانیدم"[1]

اسی طرح کی کچھ اور بھی روایتین ہین،

حضرت شیخ فریدالدینؒ کی ولادت مسعود ۵۶۹ھ مین قصبہ کہتی وال (کوتوال) ضلع ملتان مین ہوئی، سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے، ان کے والد بزرگوار سلطان محمود غزنوی کی بہن کے لڑکے تھے، شہاب الدین غوری کے زمانہ مین کابل سے لاہور آئے اور پھر وہان سے کچھ دنون قصور اور ملتان رہکر کہتی وال آئے، اور وہین سکونت پذیر ہوگئے،

شیخ فریدؒ نے ابتدائی تعلیم اسی قصبہ مین حاصل کی، وہان سے مزید تعلیم کے لئے ملتان آئے، اسی زمانہ مین حضرت بختیار کاکیؒ کا ورود مسعود ملتان مین ہوا، گنج شکرؒ ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، جب خواجہ بختیارؒ دہلی کی طرف بڑھے، تو شیخ فرید کو مزید تعلیم کی تلقین کی، چنانچہ وہ ہندوستان سے نکل کر قندھار، بغداد، سیوستان، بدخشان وغیرہ مین علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے رہے،[2]

پانچ سال کے بعد خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت مین دہلی حاضر ہوئے، مرشد نے ان کی اقامت کے لئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی، اور وہین وہ ریاضت و مجاہدہ مین مشغول ہوگئے، تذکرہ نویسون کا بیان ہے کہ اس ریاضت و مجاہدہ مین ان کی یہ کیفیت ہوگئی تھی، کہ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ بختیار کاکیؒ سے ملنے دہلی آئے، تو شیخ فریدؒ کو دیکھنے ان کے حجرے مین تشریف لے گئے، مگر شیخ فرید ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لئے اٹھ نہ سکے، خواجہ معین الدینؒ نے ان کے لئے دعا کی، اور غیب سے بشارت ملی کہ "فریدا برگزیدم" چنانچہ خواجہ صاحب نے ان کو خلعت مرحمت فرمایا، اور بختیار کاکیؒ نے بھی اپنی خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۲۹۳ [2] راحت القلوب ص ۱۵۹-۱۵۸-۱۴۲-۱۴۱، و اسرار الاولیاء ص ۴۰-۴۱

اس وقت خواجہ معین الدین ؒ نے بختیار کاکی کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا، کہ

"بابا قطب الدین شاہبازے عظیم در دام آور دکہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نمی گیرد"[۱]

مرشد کی صحبت مین تعلیم پا چکے تو گنج شکرؒ دہلی سے ہانسی آئے، مگر دہان کے لوگون کے ہجوم سے گھبرا کر ہانسی سے اجودھن کی طرف بڑھ گئے، یہان تنہائی اور سکون پایا، تو اسی کو مسکن بنایا، اور یہین آسودہ خاک ہوئے، سنہ وفات مین اختلاف ہے، اخبار الاخیار و سفینۃ الاولیا مین ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ تاریخ فرشتہ مین ۶۶۸ھ سیر الاقطاب مین ۶۹۰ھ بحر الواصلین و تذکرۃ العاشقین بحوالہ خزینۃ الاصفیا مین ۶۷۰ھ درج ہے۔

اجودھن اب پاک پٹن کے نام سے مشہور ہے، اور اب تک زیارت گاہ خواص و عوام ہے،

حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک کے طے کرنے مین بڑی محنت شاقہ کی، ان کا خود بیان ہے کہ وہ بیس سال تک عالم تفکر مین کھڑے رہے، مطلق نہ بیٹھے، ان کے پاؤن سوج گئے تھے، اور ان سے خون بہتا تھا، اس درمیان مین ان کو یاد نہین کہ انھون نے کچھ کھایا ہو[۲]

رشد و ہدایت کے لئے خانقاہ مین بیٹھے تو اپنے مرشد کی طرح دنیا کے تمام مال و متاع سے مستغنی رہے، ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اجودھن ان کی خدمت مین حاضر ہوا، ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے وزیر الغ خان کو (جو بعد مین غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) چار گاؤن کا فرمان اور ایک کثیر رقم بطور ہدیہ دے کر بھیجا، مگر انھون نے اس کو یہ کہکر واپس کر دیا، کہ یہ ان کو دو جن کو ضرورت ہو، ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہین[۳]، اور اگر کبھی کسی سے کچھ قبول کرتے تو راہ خدا مین تقسیم کر دیتے،[۴]

حضرت گنج شکرؒ کے نکاح مین الغ خان کی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ بھی تھین، جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیان ہوئین[۵]، الغ خان جب بادشاہ بن کر دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا، تو اس سے گنج شکرؒ کی شان استغنا و بے نیازی بدستور قائم رہی، ایک بار کسی نے ان سے غیاث الدین بلبن کے پاس کچھ سفارش کرانی چاہی تو انھون نے سفارش نامہ اس طرح لکھا،

"مین اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہون، اگر آپ اس کو کچھ دیدین گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہون گے، اور

[۱] سیر الاقطاب ص ۱۶۹، [۲] راحت القلوب ص ۱۰، [۳] ص ۱۰۲ و فرشتہ جلد دوم ص ۳۰۸، [۴] راحت القلوب صفحہ ۱۹۲، [۵] خزینۃ الاصفیا ص ۳۰۱،

اگر آپ نہ دین گے، تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا، اور آپ معذور ہون گے"[۱]

چنانچہ غیاث الدین بلبن ان کی ذات سے خود بھی متاثر تھا، اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت مین حاضر ہوتا رہتا تھا، بلبن کا عہد نہ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ مین اتنے مشائخ عظام جمع ہو گئے تھے کہ مورخون نے اس عہد کو خیر الاعصار لکھا ہے[۲] حضرت گنج شکرؒ کے علاوہ شیخ الشیوخ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ، شیخ صدر الدینؒ، شیخ بدر الدین غزنویؒ اور سیدی مولا کے انوار سے ہندستان منور ہو گیا تھا، بلبن کو ان تمام اولیاء اللہ سے عقیدت تھی، اور اسی عقیدت کا نتیجہ تھا کہ اوس نے اپنے لڑکے کو خاص طور پر تاکید کی تھی، کہ

"قضات و حکام متقی و متدین نصب فرمائی تا رواج دین و رونق عدل میان علائق پدید آید"[۳]

حضرت گنج شکرؒ کی تصنیفات مین ان کے دو ملفوظات ہین، راحت القلوب اور سیر الاولیاء، راحت القلوب کو خواجہ نظام الدین اولیاء اور سیر الاولیاء کو حضرت بدر اسحاق نے مرتب کیا ہے، دونون گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے،

راحت القلوب مین راہ سلوک کی اساسی باتین وہی ہین جو انیس الارواح، دلیل العارفین اور فوائد السالکین مین پائی جاتی ہین، مگر اس مین ملفوظات نسبۃً زیادہ ہین، اس لئے ان سے بعض مسائل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے، اس کتاب کے آخری حصہ مین چشتیہ سلسلہ کے اوراد و وظائف اور ان کے فضائل و برکات کا ذکر ہے، جو مذکورہ بالا ملفوظات مین نہین،

شروع مین درویش کی مختلف صفات بتائی گئی ہین، مثلاً درویش کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے، پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندون کی پردہ پوشی ہے،

درویش کو چاہئے کہ چار باتین اختیار کرے (۱) اپنی آنکھون کو بند کرلے، کہ خدا کے بندون کے عیوب نہ دیکھ سکے (۲) کانون کو بہرہ کرے کہ جو باتین سننے کے لائق نہ ہون، ان کو نہ سن سکے (۳) زبان کو گونگی کرے کہ جو باتین کہنے کے لائق نہ ہون ان کو نہ کہہ سکے (۴) پاؤن کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے، تو وہ نہ جا سکے، اگر یہ باتین اس کو حاصل ہو گئین، تو وہ درویش ہے، ورنہ وہ دروغگو ہے،

[۱] اخبار الاخیار ص ۵۲ [۲] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۸۳،

جو درویش اس دنیا دونی کی عزت و جاہ کا خواستگار اور دنیا کے لوگون کے لطف و کرم کا خواہان ہو وہ درویش نہین ہے، بلکہ درویشون کو بدنام کرنے والا اور طریقت کا مرتد ہے،

جس درویش کے دل مین ذرہ برابر بھی دنیا کی دوستی ہوگی، وہ مردود طریقت ہو،

درویشون کا طریقہ تحمل ہے، اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھے تو بھی اس سے وہ خوش رہے، اور اس کے لئے بد دعا نہ کرے،

درویش کا زہد تین چیزون مین ہے (۱) دنیا کا جاننا اور اس سے ہاتھ اٹھا لینا (۲) مولا کی طاعت کرنا، اور آداب کی رعایت رکھنا (۳) آخرت کی آرزو اور اس کو طلب کرنا،

حضرت گنج شکرؒ نے راہِ سلوک مین دل کی صلاحیت پر زیادہ زور دیا ہے، اور اس کو سلوک کی اصل کہا ہے، اور یہ صلاحیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے، جو لقمۂ حرام سے پرہیز کرتا ہے، اور اہلِ دنیا سے اجتناب کرتا ہے، ایک جگہ حضرت یحییٰ معاذ رازی کا قول نقل کرکے فرمایا ہے، کہ حکمت اسی کے دل میں قرار پا سکتی ہے، جس کے دل مین دنیا کی حرص نہ ہو، رشک و حسد نہ ہو اور شرف و جاہ کی خواہش نہ ہو،

حضرت گنج شکرؒ نے سماع کو راحتِ دل قرار دیا ہے، یہ اہلِ محبت کے دل مین حرکت پیدا کرتا ہے حرکت کے بعد حیرت، حیرت کے بعد ذوق، اور ذوق کے بعد بیہوشی طاری ہو جاتی ہے، اس بیہوشی مین ایسا استغراق ہوتا ہے، کہ اگر اس وقت اس کے سر پر ہزارون تلوارین چلین تو بھی اس کو خبر نہ ہو، اور یہی چار چیزین معرفت کے اسباب بنتی ہین،

معرفت کی تعریف یہ کی ہے کہ جب تک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہین ہوتی، وہ دوسرون کے پیچھے مبتلا رہتا ہے، لیکن جب اس کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے، تو پھر اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اگر اس کے پاس ہزارون فرشتے بھی آئین، تو ان کی طرف کنکھیون سے بھی نہ دیکھے اور اگر اس کو ان کے آنے کی خبر ہو جائے، تو وہ کاذب و دروغگو ہے،

سیر الاولیاء مین بائیس فصلین ہین، اور ہر فصل مین تصوف کے مستقل موضوع پر حضرت گنج شکرؒ کے ارشادات ہین جس سے اس موضوع کے سمجھنے مین آسانی ہوتی ہے،

شروع مین عشقِ الٰہی پر گفتگو ہے، حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ فقرا، کا عشقِ الٰہی علماء اور اصحابِ عقل کے عشق سے بالکل جدا ہے، (صفحہ)

آن عشق کہ بود کم نگردد تا باشد از ان قدم نہ گردد (نظامی)
عشقے کہ نہ عشق جاودان است بازیچۂ شہوتِ جوان است (صفحہ)

ایک دوسری جگہ فرمایا،

مہر بست مرا درونِ جان و شفقت گر سر رود اے دوست نگویم با کس
مہریست عاشقان را در طاقت نہانی پوشیدہ دار خود را تا آنجا نجل نمانی

اس عشق کا عنصر صرف آگ ہوتی ہے، جس کے شعلہ سے تمام عالم جل کر خاک سیاہ ہو سکتا ہے، (صفحہ)

اس عشق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ صاحبِ عشق اپنی دوئی کو کھو کر اپنے آپ سے بالکل ایک ہو جاتا ہے، (صفحہ)

عشق مین عاشق اپنے معشوق کی طلب مین مجاہدہ کرتا ہے جس سے اس کو مکاشفہ ہوتا ہے، مکاشفہ کے بعد مشاہدہ یعنی معشوق کا دیدار ہے، اس مشاہدہ سے اس کا عشق اور بھی تیز ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ حجابات اٹھتے جاتے ہین، اور عاشق ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے، کہ وہ صرف عالمِ تحیر مین رہتا ہے،

(اسرار الاولیاء ص ۴۹)

راہِ عشق مین محبت کے سات سو مقامات ہین، پہلا مقام یہ ہے کہ (معشوق) کی طرف سے جو بلا بھی نازل ہو، اس کو صبر و سکون سے عاشق برداشت کرے، (صفحہ) اس راہ مین محبت کی کوئی غایت نہین، (صفحہ) اور عاشق اپنے تمام اعضاء کے ساتھ محبتِ معشوق مین مستغرق رہتا ہے، وہ اپنی آنکھون سے صرف معشوق کو دیکھتا ہے، وہ اپنے کانون سے صرف معشوق کی باتین سنتا ہے، وہ اپنے ہاتھون اور پاؤن کو صرف معشوق کے لئے حرکت دیتا ہے، وہ اپنی زبان سے صرف معشوق کا ذکر کرتا ہے، اور محبت مین وہی صادق ہے، جو ہر لحہ معشوق کے ذکر یعنی ذکرِ الٰہی مین مشغول رہتا ہے، (ص ۵۱)

ذکر یعنی عبادتِ الٰہی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے، عبادتِ الٰہی مین ظاہر اور باطن کا یکسان ہونا ضروری ہے، عبادت سے اسرارِ الٰہی معلوم ہوتے ہین، مگر ان کا ظاہر کرنا عشق کے منافی ہے،

ایک جگہ فرمایا راہِ سلوک مین وہی بندہ صادق ہے، جو رزق حاصل کرنے کے لئے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو، اور اگر وہ اس کے لئے پریشان رہتا ہے، تو وہ بد دین اور بد دیانت ہے، رزق کی چار قسمین ہین،

(۱) رزقِ مقسوم (۲) رزقِ مذموم (۳) رزقِ مملوک (۴) رزقِ موعود،

رزقِ مقسوم وہ رزق ہے جو روزِ ازل سے لوحِ محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے، اس مین کمی اور زیادتی نہین ہو سکتی، رزقِ مذموم

وہ رزق ہے جو جتنا بھی زیادہ ملے، اس پر قناعت نہ کی جائے، رزق مملوک وہ رزق ہے جو ضروریات کی کفالت کے بعد جمع کیا جائے، رزق موعود وہ رزق ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے، اور اس کا ملنا ضروری ہے[1]،

راہِ سلوک کی سچائی یہ ہے کہ سالک ہر قسم کے رزق سے بےغم رہے، اور اگر وہ رزق کے لئے اندوہگین ہوتا ہے، تو وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے، خداوند تعالیٰ خود اس کا رزق اس کے پاس پہنچائے گا، پھر بھی اس کا توکل یہ ہونا چاہئے کہ اس کو جو کچھ بھی ملے، راہِ خدا مین دیدے، اگر وہ رزق جمع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی تمام عنایتون سے محروم ہو جاتا ہے،

آگے چل کر ایک فصل مین گنج شکرؒ نے فرمایا، کہ عاقل وہی شخص ہے جو دنیا کے تمام معاملات مین اللہ پر توکل کرتا ہے، توکل کی تشریح اس طرح کی ہے، کہ متوکل کے ایمان مین خوف و رجا، اور محبت ہو، خوف سے وہ گناہ کو ترک کرتا ہے، اور رجا سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور محبت سے خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے تمام مکروہات سے باز آتا ہے[2]،

راہِ سلوک مین توبہ ایک اہم چیز ہے، گنج شکرؒ نے توبہ کی چھ قسمین بتائی ہین،

(۱) توبۂ دل، حسد، ریا، لہو و لعب اور تمام نفسانی لذت اور شہوت سے صدقِ دل سے باز آنا، اس سے دل کی آلائش دور ہوتی ہے، جس کے بعد بندہ اور مولیٰ کا حجاب اٹھ جاتا ہے،

(۲) توبۂ زبان ناشایستہ، بیہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا، زبان صرف خداوند تعالیٰ کے ذکر اور کلام پاک کی تلاوت کے لئے وقف ہونی چاہئے، عشقِ حقیقی مین وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے جس نے دل اور زبان کی توبہ سچائی سے کر لی ہو، زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوارِ عشق کی تجلی نہین دیکھ سکتا ہے، آنکھ، کان، ہاتھ، اور نفس زبان ہی کے تابع ہین، اس لئے زبان کی توبہ سے یہ تینون چیزین بھی محفوظ رہتی ہین،

(۳) توبۂ چشم (۱) حرام چیز نہ دیکھنا، (۲) کسی کا عیب نہ دیکھنا (۳) ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا، سالک جب مشاہدۂ حق کر چکا ہو، تو پھر اس کو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہین ڈالنی چاہئے،

(۴) توبۂ گوش، ذکرِ حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا،

---

[1] اسرار الاولیا ص۸۱ [2] ایضاً ص۸۲

(۵) توبۂ دست، ناروا اور ناجائز چیزون کو ہاتھ نہ لگانا،

(۶) توبۂ پا، حرام چیزون کی طرف نہ جانا،

(۷) توبۂ نفس، ماکولات، شہوات اور لذات سے باز آنا،

اس تقسیم کے علاوہ توبہ کی تین تقسیم اور کی ہے،

(۱) توبۂ حال (۲) توبۂ ماضی (۳) توبۂ مستقبل، حال کا توبہ گناہون سے پشیمان اور نادم ہو کر باز آنا ہے، ماضی کا توبہ اپنے دشمنون کو خوش کرنا ہے، اگر تائب نے کسی کا ایک درہم غصب کر لیا ہو تو اس کو دس درہم واپس کرنا چاہئے، اگر اس نے کسی کو برا کہا ہو، تو اس کے پاس جا کر معافی مانگے، اور اگر وہ مر گیا ہو تو معذرت کے بجائے اس کے نام سے غلام آزاد کرے، اور اگر شراب پیتا رہا ہو تو توبہ کے بعد خدا کے بندون کو سرد اور لطیف پانی پلائے،

مستقبل کا توبہ یہ ہے کہ تائب آیندہ تمام گناہون سے پرہیز کرنے کے لئے عہد کرے،

حضرت گنج شکرؒ نے اگلی دو فصلون مین مرشد اور پیر کی خدمت اور تلاوت کلام پاک کی فضیلت کا ذکر کیا ہے، فرمایا ہے کہ سات دن مشائخ اور پیرون کی خدمت، سات سو سال کی عبادت کے برابر ہے، کلام پاک کی تلاوت کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور افضل تر کوئی عبادت نہین کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے، جس سے بڑھکر اور کوئی سعادت نہین ہو سکتی، چنانچہ حضرت بختیار کاکیؒ کلام پاک پڑھتے، تو ہر ایک آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے، اور بیہوش ہو جاتے۔ ایک دن وہ ہزار بار بیہوش ہوئے، مگر جب مشاہدہ کی آیت کو پڑھا تو مسکرائے اور پھر عالمِ تحیر مین کھو گئے، اور اس عالم مین ایک دن اور ایک رات رہے،

حضرت گنج شکرؒ نے صوفیون کے لباس، خرقہ، گلیم اور صوف اور طاقیہ پر بھی بحث کی ہے، خرقہ، گلیم اور صوف کو انبیاء کا لباس بتایا ہے، اس لئے اس کی تعظیم و تکریم پر زور دیا ہے، خرقہ پہننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونون عالم سے قطع تعلق کرے، اس کے دل مین دنیا کی کوئی آلائش نہ ہو، اسی طرح صوف اور گلیم پہننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائے، اور اگر اس لباس کو اہلِ دنیا کے لطف و کرم کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ کذاب اور دروغ گو ہے،

(ص ۴۷)

اسی سلسلہ مین تصوف اور صوفی کی بھی جستہ جستہ بحث آگئی ہے، گنج شکرؒ نے فرمایا کہ

صوفی وہ ہے جس کے دل مین اتنی صفائی ہو کہ اس کی صفائی کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے،

تصوف مولیٰ کی صفا و دوستی کا نام ہے،

اہلِ تصوف وہ ہین جو ہر وقت خاموش اور عالم تحیر مین مستغرق رہتے ہین،

اہلِ تصوف ایک ایسی قوم ہین کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہو جاتے ہین، تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزون کی خبر نہین ہوتی ہے،

تصوف کا کمال یہ ہو کہ اصحابِ تصوف ہر روز پانچون وقت نماز مین اپنے کو عرش پر دیکھین،

تصوف ایک اخلاق ہے اس لئے گنج شکرؒ نے اربابِ تصوف کو اخلاقی ہدایتین بھی دی ہین، مثلاً صوفی دنیا اور دنیا کے لوگون سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے، مگر کسی حال مین وہ دنیا کی مذمت اور ہجو نہین کرتا ہی، وہ نہ اس سے محبت اور نہ اس سے عداوت رکھتا ہے (صـ ۹۲)

صوفی ایک مرشد سے وابستہ ہوتا ہے پیر سے اس کی ارادت اور بیعت عشق کے درجہ تک پہنچ جانی چاہیے، (صـ ۹۰) اور اس کے تمام احکام کو جان و دل سے بجالانا فرض ہی (صـ ۹۱) وہ تمام عمر اپنے پیر کو سر پر اٹھا کر حج کرتا رہے تو بھی پیر کے حقوق کی ادائگی سے سبکدوش نہین ہو سکتا ہے، (صـ ۹۱) وہ صدق دل اور تعظیم سے اپنے مرشد کے ہاتھون کا بوسہ دیتا ہے، تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہین، (فصل شانزدہم) حضرت گنج شکرؒ نے دوسرے علما اور مشائخ کی تعظیم پر بھی زور دیا ہے، فرمایا کہ جو ان کو دوست رکھتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، (فصل سیزدہم) صوفی کی زندگی ذکر حق مین مشغول ہوتا ہے، وہ جب تک ذکر حق مین مستغرق ہو کر بیہوش رہتا ہو تو وہ زندہ ہے، اور جب ہوش مین آکر ذکر حق چھوڑ دیتا ہے، تو مردہ ہو جاتا ہے (فصل ہفدہم)

حضرت گنج شکرؒ نے خواجگان چشت کے مسلک کے مطابق صوفی کو کشف کے اظہار سے منع کیا ہو اور کہ وہ راہِ سلوک کے تمام مقامات کو طے کرلے تو اس کے اظہار مین کوئی ہرج نہین،

آخر مین فرمایا ہو کہ راہِ سلوک مین سالک پر جس قدر، رنج، تکلیف، مصیبت نازل ہو گی وہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا جائے گا، کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ خدا کی طرف سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ خواجہ معین الدینؒ اپنے ایمان کی صحت اسی مین سمجھتے تھے، کہ تکلیف مین اس کی زیادتی کی دعا کرتے تھے، (صفحہ ۹۳)　　(باقی)

تصحیح:۔ معارف ماہ اگست ص ۱۰۰ سطر ۲۰ مین مرزد کے بعد "نہ" چھوٹ گیا ہے، اس کی تصحیح کرلین،

———•———

اقبال کے تصورِ خودی کا ماخذ

از

جناب بشیر صاحب مخفی کراچی

"اس مضمون مین یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال کا تصورِ خودی اور ان کے بعض دوسرے افکار و مصطلحات سید گل حسن شاہ صاحب قادری پانی پتیؒ کے کلام اور ان کی صوفیانہ تصانیف سے ماخوذ ہین، اور خودی کے اس تصور کے پہلے مبلغ شاہ صاحب تھے،

درحقیقت دنیا مین بہت کم افکار و تصورات ایسے ہین جنھین بالکل نیا اور اچھوتا کہا جا سکے، اس لئے تنہا کسی فکر کا دھندلا اور ابتدائی تصور پیدا ہونا ایجاد کی نسبت کے لئے کافی نہین ہے، موجد ہی کہلائیگا جس نے سب سے پہلے مکمل طور پر مدلل اور مرتب طریقہ سے بحیثیت فن فلسفہ یا تعلیم کے اس کو پیش کیا، اقبال کے بعض افکار و خیالات کا دھندلا تصور قدیم فلاسفہ متکلمین اور صوفیہ کے یہان ضرور ملتا ہے، مولانا روم تو ان کے روحانی مرشد ہی تھے، اور ان سے ان کا استفادہ معلوم و مشہور ہے لیکن اقبال سے پہلے جن مفکرین کے یہان ان کے جن تصورات کا سراغ ملتا ہے، وہ محض ضمنی ہین، اور ان کی کوئی مستقل حیثیت نہین، اور اقبال کے افکار کے مقابلہ مین ان کا تصور بہت ابتدائی ناقص اور محدود ہے، اقبال پہلے شخص ہین جنھون نے ان کو مستقل موضوع بنایا، اور ان کو ترقی دے کر ذرہ کو صحرا، اور قطرہ کو دریا بنا دیا، اور مرتب و مدلل فلسفہ اور تعلیم کی حیثیت سے ان کو پیش کیا، اس لئے اس کو نقل نہین، بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک جزوی استفادہ کہا جا سکتا ہے، جس سے کوئی مجتہد اور مفکر بری نہین، اور اس سے اقبال کے کلام کی عظمت مین کوئی فرق نہین آتا، لیکن یہ مضمون بعض پہلوؤن سے مفید ہے، اس لئے اس کو پیش کیا جاتا ہے"　　"م"

مخدومی حضرت العلامہ مولانا صاحب

سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ شرف صدور لایا، اقبال کے نظریۂ خودی کے متعلق میں آپ سے گذارش کرنا چاہتا ہوں، آپ نے لکھا ہے کہ اقبال سے پہلے خودی کا لفظ خودشناسی کے معنوں میں کسی دوسرے شاعر نے استعمال نہیں کیا ہے، اور نہ صوفیوں کے کلام میں نظر سے گذرا ہے، بلکہ خودی کا لفظ ان کے یہاں استکبار اور خود پسندی کے معنوں میں آیا ہے۔

حقیقت میں یہ درست ہے کہ اقبال سے پہلے صوفیہ اور شعراء نے لفظ خودی کو اکثر غرور ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے لیکن اقبال نے جہاں خودی کو خودشناسی کے معنی میں استعمال کیا ہے، وہ ایک حد تک صوفیہ کے فلسفۂ تعینِ ذات و عرفانِ نفس کے معنی میں ہے، لیکن اکثر مقامات پر قومی خودی کے احساس و آگہی اور خودداری کے انقلابی اور فلسفیانہ معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، اقبال کی یہ خودی خودشناسی کے مفہوم و مقصد سے قریب تر ہے، اس لئے اس میں اور صوفیہ کے نظریۂ خودشناسی میں کوئی اختلاف نہیں رہتا، اور اس معنی میں خودی عرب و عجم کے بہت سے اکابر و بزرگان اسلام بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمۂ دین اور اولیائے صلحائے اُمت کے ارشادات کا نچوڑ ہے، میرا مقالہ (اقبال کا نظریۂ خودی اور حافظ کی بیخودی) اسی نصب العین پر لکھا گیا ہے، یہ ناچیز مطالعہ اور غور و فکر سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے، کہ نظریۂ خودی جسے اقبال نے اپنایا ہے، نیا نہیں بلکہ "کہن در بادۂ نو" کا مصداق ہے،

اس بات کو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اقبال سے پہلے اس نظریہ کے حقیقی مبلغ میرے نانا بزرگوار علیہ الرحمۃ کے رہبر برحق حضرت علامہ مولانا الحاج سید گل حسن شاہ صاحب حسن قلندر ثانی قادری پانی پتی قدس سرہٗ مصنف و مؤلف "تذکرۂ غوثیہ" و "تعلیم غوثیہ" تھے،

ان کے ارشادات اور شاعرانہ نکات کا بھی اقبال پر اثر پڑا ہے، اقبال کی تمام تعلیمات کی روح، اور نظریۂ خودی کی اساس اقبال کے الفاظ میں "خودی اور خدائی اور فقر میں شہنشاہی" ہے، وہ فرماتے ہیں :-

بے ذوق نمود زندگی موت ۔ تعمیر خودی میں ہے خدائی

خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند ۔ سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبحگاہی ۔ کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی

حضرت علامہ حسن پانی پتی تعلیم غوثیہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"طوبائے شریعت پر صوفیوں کی نغمہ سرائی طائرانِ سدرہ کی زمزمہ سنجی سے بالاتر ہے، خودی میں خدائی رعیت میں بادشاہی" کے مزے جو صوفیوں نے لوٹے، دوسروں کو خواب میں بھی نصیب نہیں"

یہ کتاب ۱۹۱۹ء میں طبع ہوئی ہے، مجھے یہ معلوم نہیں کہ علامہ اقبال نے کب نظریۂ خودی کو اپنا کر اس کی اشاعت کی؟ میرے نانا بزرگوار علیہ الرحمۃ کے ارشاد کے مطابق اقبال نے حضرت قلندر صاحب سے بھی استفادہ کیا تھا[۱] اس لئے گمان غالب ہے کہ اقبال نے اس حکیم العصر اور مجتہد صوفی کے نظریۂ خودشناسی "خودی میں خدائی" کو بھی زیر نظر رکھا ہے، بلکہ اس سے قبل ان کے مرشد بزرگ کے وصال پر جو مثنوی فارسی میں دور آخر کے نام سے لکھی تھی اور جو تذکرۂ غوثیہ میں موجود ہے، اس میں بھی یہ نظریہ موجود ہے، بلکہ ان کے طرز بیان، ارشاد اور اسلوب و الفاظ کو بھی اقبال نے اپنا لیا ہے، مولانا حسن پانی پتی ایک عارف کامل ہونے کے ساتھ باکمال شاعر و ادیب و فلسفی اور حکیم و فاضل الٰہیات بھی تھے، اور پھر حضرت مولانا اسماعیل میرٹھی مرحوم سے ان کے خاص تعلقات و روابط بھی تھے، کیونکہ مولانا اسماعیل مرحوم اعلیٰ حضرت مولانا الحاج سید غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری پانی پتی کے خاص مریدوں میں سے تھے، شاید اقبال نے اُن کے ذریعہ علامہ تک رسائی حاصل کی ہو، یہ مجھے معلوم نہیں کہ مولانا اسماعیل میرٹھی اقبال کے ہم عصر تھے یا نہیں؟[۲]

اقبال نے بچپن کی شاعری کا طرز ایک حد تک اسماعیل کی پیروی سے لیا ہے،[۳] حضرت سید غوث علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ میرزا غالب دہلوی سے ملاقات کر چکے ہیں، حضرت علامہ حسن پانی پتی دور آخر میں لکھتے ہیں :-

جانِ تو خود جانِ جانانِ زندگی است ۔ از تو خرم بوستانِ زندگی است

سالہا گردیدۂ در بحر و بر ۔ ہم تو خود مقصود بودی از سفر

---

۱ معارف :- اقبال نے خودی کے تصور کو سب سے پہلے اپنی مثنوی اسرار خودی میں پیش کیا ہے، جو تعلیم غوثیہ کی اشاعت سے پانچ سال پہلے ۱۹۱۵ء میں شائع ہو چکی تھی، اور ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف میں بھی کچھ عرصہ لگا ہوگا، اس لحاظ سے اقبال کے خیالات تذکرہ غوثیہ کی اشاعت سے زیادہ قدیم ہو جاتے ہیں ۲ معارف مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھی کی وفات ۱۹۱۷ء میں ہوئی اس لئے اقبال کی جوانی اور مولوی اسماعیل صاحب کا بڑھاپا ہم عصر تھے، لیکن یہ معاصرت غوث علی شاہ صاحب سے اقبال کے توسل کا ثبوت نہیں یہ محض قیاس ہے ۳ معارف :- اقبال کے کلام میں بچوں کی صرف چند نظمیں ہیں، وہ بھی انگریزی نظموں سے ماخوذ ہیں، ان میں اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے طرز میں کوئی مناسبت نہیں

بحرِ توحیدِ الٰہی خود توئی   بے تعین بے تشخص بے دوئی

مستی صہبائے تو چون جوش زد   کے شو و شور من دتو گوش زد

بے خودی بزمِ خودی آراستہ است   نعرہا از خامشی برخاستہ است

اے ندیم الشمس نجم الدین بیا   نعرۂ دیگر بزن لب برکشا

باز بنشین در خراباتِ سخن   معنی اندر شیشۂ الفاظ کن

باز گو حرفے ز سلطانِ جلیل   تا نہ گردد قصۂ ہجران طویل

اے درخشان کوکبِ نورِ قدیم   از کجا جوئیم انفاسِ کریم

از کجا جوئیم گلبانگِ سرور   از کجا یابیم آن اُنس و حضور

از کجا جوئیم قربِ اختصاص   اے درِ تو قبلہ گاہِ عام و خاص

پرتوِ حالِ تو پاک است از عمل   استوار و پائدار و بے خلل

پرتوِ حالِ تو پاک از فہمِ عام   ہست لا شرقی و لا غربی مدام

پرتوِ حالِ تو اے سلطانِ حال   ہست بالاتر ز پروازِ خیال

ذاتِ تو پاک است از حال و مقام   شہپرِ عنقائے تو بشکست دام

کشفِ ہر حالے ز تو باید کشود   ہر مقامے از تو میگوید وجود

نقدِ حالِ تست ذاکِ پاکِ تو   ذاتِ پاکِ تست در ادراکِ تو

خضرِ ربانی و فردِ کاملے   عارفِ بیباک مردِ کاملے

پاک و بیباک و مجرد از علل   شاہبازِ اوجِ افلاکِ ازل

زندۂ جاوید پاک از جسم و جان   شد سواد عرصہ ہائے بے نشان

مسئلہ حیات بعد الممات

پاک را کے مرگ آید در خیال   زندہ را مردن بود امرِ محال

وصلِ او دائم بود با زندگی   ذاتِ او را زندہ گویا زندگی

زندۂ را حلقۂ ماتم چرا است   از پئے گنجِ مسرت غم چرا است

زندۂ در زندگی بے پردہ شد   مردگان را دل چرا آزردہ شد

مرد آن باشد کہ وہمش زندگی ست   پیش وہم خویش اندر بندگی ست

علم و عرفان نیست گشت و غرق شد   زورقِ اندر بحرِ وحدت غرق شد

غرقہ را نبود مقام و منزلے   غیرِ دریا نیست او را ساحلے

بارگاہِ او ست بے جا و مقام   نے نشانے باشدش نے ہیچ نام

ہر کجا سر بر زند خود جائے او ست   بے سر و سامانیش ماوائے او ست

فلسفۂ زمان و مکان اور وقت

ہست آزاد و ندارد پائے بند   نے اسیرِ وقت و نے در جائے بند

ہم زمان و ہم مکان خیزد از و   اعتبارِ جسم و جان خیزد از و

نامرادی ہم از و مقصود ہم   عبد از و پیدا شود معبود ہم

ہست خود تنہا و ہم خود انجمن   گاہے نومی گردد گاہے کہن

اب اقبال کے یہ خیالات

تو کہ از اصلِ زمان آگہ نۂ   از حیاتِ جاوِدان آگہ نۂ

وقت را مثلِ مکان گسترد ۂ   امتیازِ دوش و فردا کردۂ

خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زناری   نہ ہے زمان نہ مکان لا الٰہ الا اللہ

صد جہان پوشیدہ اندر ذاتِ او   غیرِ او پیدا است از اثباتِ او

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم
از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

در جہان نتوان اگر مردانہ زیست   ہمچو مردان جان سپردن زندگی است

ڈھونڈھتا پھرتا ہون اے اقبال اپنے آپ کو   آپ ہی گویا مسافر آپ ہی منزل ہون میں

قلندر صاحب کے نظریات سے کتنے قریب ہین، اور پھر مقام قلندریت و فقر و غنا، حضرت قلندر صاحب قبلہ کی توجہات و تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

حضرت علامہ حسن پانی پتی کی اردو شاعری اور شاعرانہ آرٹ سے اقبال نے بہت نمایان

[1] اسی روز و شب مین الجھ کر نہ رہ جا   کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہین (اقبال)

فائدہ حاصل کیا ہے :-

آپ مدحِ مرشدِ عالی میں لکھتے ہیں :-

اے ضیاء الشمس نجم الدین حسن — مشرقِ الانوار نورِ ذوالمنن

لب پہ آیا نام شہ غوثِ علی — بے تکلف کھل گئی دل کی کلی

پھر ہوا سبزے کو لہرانے لگی — باغِ معنی میں بہار آنے لگی

پھر لگا دی ابرِ رحمت نے جھڑی — پھر وہی بادِ بہاری چل پڑی

پھر وہی محمل وہی ہے کاروان — ناقہ سرمست وحدی خوان ساربان

پھر اُسی منزل میں جا کھولی کمر — دشت چٹیل اور ویرانہ نگر

پھر کھلا در حجرۂ انوار کا — قفل ٹوٹا قبۂ اسرار کا

پھر وہی صحبت وہی لیل و نہار — پھر لگے ہونے دُرِ معنی نثار

پھر خزانۂ غیب کا لٹنے لگا — رشک سے حاتم کا دم گھٹنے لگا

پھر گئی سانچے میں ڈھلنی بات بات — عارفانہ رمز مردانہ نکات

پھر الاپے نے نے اسرارِ قدم — ذرہ ذرہ بن گیا منصور دم

پھر وہی ساغر وہی بزمِ سرور — پھر لگا بہنے وہی دریائے نور

اے تجلیِ اخیرِ ذوالجلال — تھا کمالِ بندگی تیرا کمال

ہاں محمد وار تو نامِ خدا

کر گیا ہے بندگی کا حق ادا

یہی اقبال کا فلسفۂ عبدیت "ھُوَ عَبدُہٗ" ہے، جسے علامہ نے جاوید نامہ میں بیان فرمایا ہے

ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ جان — قول و فعل و حال سے تیرے عیان

خوب توڑا تو نے ہر بندِ کہن — تھا مگر توحیدِ خیبر شکن

فلسفۂ اسرارِ زمان "اور الوقت سیف قاطع" پر اقبال کے نظریات اسی حقیقت کے مظہر ہیں :-

ہر توسل سے تجھے اعراض تھا — شیر خوار عہد اُفیاض تھا،

زادِ حق تھی تیری قوت اور قوت — تھا خیالِ غیریت عنکبوت

نقرِ فخری کی صدا بھائی تجھے — حق نے بخشی ارثِ آبائی تجھے

مدتوں کے بعد ایک "آدم" بنا — ہفت خوانِ نقر کا رستم بنا

علامہ کی فلسفیانہ نظم "سیرِ آدم" حضرتِ انسان" نقر و وجود وغیرہ اسی نظریہ کی آئینہ دار ہیں،

شاذ و نادر کوئی شہبازِ جلال — کھولتا ہے اس ہوا میں پر و بال

علامہ کے شاعرانہ کنایے شہباز و شاہین وغیرہ کی نظمیں اسی نقطۂ نظر کی ترجمان ہیں،

شیخ و صوفی پارسا زاہد بہت — ہے مگر مردِ خدا عنقا صفت

غوثِ اعظم یا جنید و بایزید — یا نظام الدین و یا بابا فرید

یا معین الدین عطار و شہاب — اپنے اپنے وقت کے تھے آفتاب

مجمع البحرین تجھ سا بعد ازان — گردشِ دوران نے دیکھا تھا کہان

لاکھ چکر کھائے گا جب چرخِ پیر — لائے گا تجھ سا کوئی مہرِ منیر

اے محیطِ اولین و آخرین — آفرین صد آفرین صد آفرین

ذات کا آئینۂ کامل بنا — یہ امانت تھی کہ تو حامل بنا

حامل و محمول میں یان فرق کیا — شمسِ ربانی کو شرق و غرب کیا

تھا نہایت معتبر پیمانہ میں — تیرا پیمانہ کبھی چھلکا نہیں

ظرفِ عالی بسکہ دریا نوش تھا — خم کدے خالی کئے پر ہوش تھا

مردہ روحون کے لئے تھی زندگی — زندگی وہ جس کو ہو پایندگی

تیرے دم سے حشر روحانی ہوا — صاف و صیقل گوہرِ کانی ہوا

صور پھونکا تو نے جس کی جان میں — جو ہوا سو ہو گیا اک آن میں

جس کسی پر تو نے پھونکا ہے فسون — اک نہ اک دن اس کو ابھریگا جنون

رسم و عادت کا گریبان پھاڑ کر — دینِ تقلیدی سے دامن جھاڑ کر

کفر پر یارون کے ایمان لائے گا — دامِ مردون کا نہ خالی جائے گا

نقر محتاجِ خدا ہرگز نہیں — نقر میں ذاتِ حق ہے بالیقین

نقر نقر آیا تو کیا باقی رہا — بادہ کش باقی نہ خود ساقی رہا

تو قلندر رند تھا کونین سوز
سیف قاطع تھا نہ تھا تو بخیہ دوز

تا لبِ دریا ہیں آثارِ طریق
عین دریا میں ہیں سب راہیں غریق

کس کی طاقت تھی کہ تجھ کو دیکھتا
لاکھ پردوں میں ہیں مردانِ خدا

علامہ کی قلندریت اُن کے صوفیانہ نظریوں اور شاعرانہ آرٹ پر قلندر صاحب کی بلندی فکر و آفاقی جذبات کا پرتو ضرور پڑا ہے،

حضرت مولانائے رومی سلیمان و بلقیس کی حکایت میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

اے تو در پیکار خود را باختہ
دیگران را تو ز خود نشناختہ

این تو کے باشی کہ تو آن اوحدی
کہ خوش و زیبا و سرمستِ خودی"

(دفتر چہارم)

اس کی شرح میں مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں :-

"حاصل آن کہ او با وحدتِ ذاتیہ خود خوش و زیبا ہم اوست و سرمست و عاشق خودی خود است و اندر شاہی زیبا شدہ ظاہر شدہ او خود مرغ است و در شانے خود صید خود است و فرش خود است و بام خود است و خلاصہ آن کہ او ہمہ موجودات است و در ہر شانے بنہج ظاہر شدہ کہ در شان دیگران بنہج نیست"

کیا مولانا نے سرمستِ خودی کو خود شناسی کے معنی میں لکھا ہے،

خواجہ عطار فرماتے ہیں :-

کفر در تسبیح حق باشد حرام
از مسلمانی بجو از کفر تام

کفر دیشیدن خودی خود بحق"
او بگیر از دین و از برخوان سبق

اس کے کیا معنی ہیں، اقبال کا کہنا ہے خودی با از وجود حق وجود ے"

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلمان بھی کافر و زندیق

کیا مولانائے روم علیہ الرحمہ اور خواجہ عطار نے لفظ "خودی" خود شناسی کے لئے یا عرفانِ نفس کے لئے استعمال کیا ہے :-

اقبال نے اسرارِ خودی کے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ ہاں لفظِ خودی کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا

ضروری ہے، کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا، جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے، اس کا مفہوم محض احساسِ نفس یا تعین ذات ہے، مرکب لفظ بیخودی میں بھی اس کا یہی مفہوم ہے، اور غالباً محسن تاثیر کے اس شعر میں بھی لفظ خودی کے یہی معنی ہیں،

غریق قلزم وحدت دم از خودی نہ زند
بود محال کشیدن میانِ آب نفس

اور ڈاکٹر نکلسن کے خط میں یہ لکھا ہے کہ خودی پر استدلال قرآن اور اسلامی فلسفہ و صوفیہ کے نظریات و مشاہدات سے بھی کیا جا سکتا ہے، تو پھر تصوف کے متعلق یہ کہنا کہ یہ فلاطونیت و عجمیت ہے، یا ویدانت و ہمہ ست فلاسفی کا مرہونِ منت ہے، کہاں تک درست ہے؟ کیا اقبال کا یہ نظریہ یورپ کے مستشرقین کی غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا نہ ہوا تھا؟

آخری دور میں علامہ نے خود تسلیم کیا ہے کہ میرے خیالات میں اب بہت انقلاب آچکا ہے، یہ سرسری مطالعہ کے اثرات ہیں، امید کہ آپ اس طویل تنج خراشی کے لئے مجھے معاف فرمائیں گے اور اپنے گراں قدر خیالات سے استفادہ کا موقع مجھے بھی عنایت فرمائیں گے، "والسلام"

اعلان

ہندستانی اکیڈمی یو پی، الہ آباد کی مجلس عاملہ نے اردو کی مطبوعہ کتابوں پر پانسو روپئے سالانہ انعام دینے کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ

۱- ہر سال مندرجۂ ذیل مضمونوں میں سے ایک پر سلسلہ وار انعام دیا جایا کرے گا،

(الف) شعر اور ڈراما (ب) ناول اور مختصر افسانے (ج) مضامین (عام اور انتقادی) (د) تاریخ اور حیات نگاری (ہ) فلسفہ (و) نیچرل سائنس،

۲- انعام ۱۹۴۵ء میں شعر اور ڈراما کی کتابوں پر دیا جائے گا،

۳- شعر اور ڈراما کی صرف اُن کتابوں پر غور کیا جائے گا، جو ۳۱ مارچ ۱۹۴۳ء کے بعد شائع کی گئی ہیں، پبلک اہل علم حضرات اور طابعین و ناشرین سے درخواست ہے کہ ہندوستانی اکیڈمی کو مندرجہ بالا تاریخ کے بعد شائع شدہ شعر اور ڈراما کی کتابوں کے متعلق تفصیلات سے مطلع فرمائیں تاکہ ابتدائی انتخاب کے وقت اُن پر غور کیا جا سکے اور منتخب کتابوں کے متعلق ججوں کی کمیٹی فیصلہ کر سکے،

سکرٹری ہندستانی اکیڈمی الہ آباد

استفسار و جواب

جبر و قدر

جناب خان محمد صابر صاحب خانقاہ ڈوگران ضلع شیخوپورہ پنجاب } "قرآن مجید کے پہلے سیپارہ مین ارشاد خداوندی ہے ختم اللہ علی قلوبھم الآیۃ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کی اور آنکھوں پر پردہ ہے ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔" اگر خدا ہی نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگائی ہے اور اسی وجہ سے وہ گناہ کرتے ہین، تو ان کا کچھ قصور نہین، یہ قصور خدا ہی کا ہے، ایسی حالت مین ان کو سکھ دکھ یا گناہ و ثواب نہین ہو سکتا؟ پھر خدا ان کو سزا و جزا کیون دیتا ہے، کیونکہ انھون نے گناہ یا ثواب خود مختاری سے نہین کیا، یا اولاد سب کے یہان ایک ہی طریقہ سے ہوتی ہے، مگر پیدا ہونے کے بعد کوئی گورا ہوتا ہے، کوئی کالا، کوئی امیر کوئی غریب، کوئی اندھا کوئی لولا اس کی کیا وجہ ہے"،

معارف ۱۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ارادہ اور نیت کی آزادی بخشی ہے، وہ اپنے اسی اختیار سے خیر یا شر کو اختیار کرکے ثواب یا عذاب کا مستحق ہوتا ہے، قرآن پاک مین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر (کہف ۔۴) جو چاہے ایماندار بنے اور جو چاہے کافر بنے،

۲۔ انسان جس پہلو کو اپنے اختیار سے پسند کرتا ہے، اور اس کام کو کرتا ہے، تو بار بار کرنے سے وہ کام اس پر آسان ہو جاتا ہے، اور اس کا عادی ہو جاتا ہے، خواہ وہ شر ہو خواہ خیر ہو، اگر کار خیر اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے تو اس کو توفیق اور ہدایت کہتے ہین، اور اگر شر آسان ہو جاتا ہے، تو اس کو اضلال (گمراہی) اور خذلان (عدم توفیق) کہتے ہین،

۳۔ ان دو باتون کے سمجھ لینے کے بعد آپ یہ سمجھین کہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگانے کو جو فرمایا ہے، وہ وہی

عدم توفیق ہے، یہ عدم توفیق اور مہر لگانا نتیجہ ہے انسان کے اپنے فعل کا جس کو اس نے پہلے اختیار سے کیا، اوس کا نتیجہ دل و دماغ پر مہر ہے، یعنی وہ اب احکام خداوندی اور نصائح سے مستفید ہونے کی صلاحیت کھو بیٹھا،

۴۔ اب جس آیت کو آپ نے پیش کیا ہے اور بھی بہت سی آیتین اس معنی کی قرآن مین ہین، مگر ان سب آیتون مین کفار اور فساق اور ان کے فعل بد اور اختیار شر کا ذکر پہلے ہے، اور مہر یا اضلال اور عدم توفیق کا ذکر اس کے نتیجہ کے طور پر ہے یعنی ان کا معلول اور نتیجہ ہے، لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہین، کہ مہر خداوندی یہ علت ہے اور بندہ کا اختیار شر معلول اور نتیجہ ہے،

۵۔ یہان غور فرمائین اوپر یہ ہے:۔

ان الذین کفروا سوآء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون (بقرہ ۱) جن لوگون نے کفر کیا برابر ہے ان کے لئے چاہے ان کو تم ہشیار کرو یا نہ ہشیار کرو،

دیکھئے پہلے انھون نے اپنے اختیار سے کفر کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق ان سے روک لی، اور پھر ان کے کفر پر اصرار اور بار بار عمل کرنے سے خیر کی توفیق ان سے سلب ہو گئی، اور شر کا کام آسان ہو گیا، یہی اللہ تعالیٰ کی مہر ہے، یہ نہین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ پر پہلے مہر کر دیا، اور اس کے سبب سے وہ کفر پر مجبور ہو گئے، بلکہ پہلے انھون نے کفر کا کام کیا، اور جیسے جیسے وہ کام کرتے گئے، خیر کے راستے بند ہوتے چلے گئے، یہی وہ مہر ہے، اسی سورہ بقرہ مین دو رکوع کے بعد دوسری آیت ہے:۔

یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا (بقرہ ۔ ۳) اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ سے بہتون کو گمراہ بناتا ہے اور بہتون کو راہ دکھاتا ہے،

اس کے بعد ہی فوراً ہے:۔

وما یضل بہ الا الفاسقین .... (بقرہ ۔ ۳) یعنی اور اللہ تعالیٰ گمراہ نہین کرتا مگر ان کو جو اللہ تعالیٰ کے حکم نہین مانتے ہین، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑتے ہین،

یہان بھی دیکھئے الا الفاسقین کا فسق و فجور سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کی عدم توفیق جس کو گمراہی کہا ہے اس کے نتیجہ کے طور پر پیچھے ہے،

ایک اور آیت میں ہے :-

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (نساء - ۲۲) — یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب سے ان پر مہر کر دی ،

دوسری آیت اور ہے :-

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (مومن ۴) — یعنی اور اسی طرح اللہ ہر مغرور ظالم کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں ۔

یہاں بھی غرور اور ظلم اختیاری سبب ہے ، اور مہر اس کا نتیجہ ،

امید ہے کہ اب بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی ، اور اعتراض رفع ہو کر تسکین پیدا ہو گئی ہوگی ، میں اس وقت بحالتِ سفر یہ چند سطرین لکھ رہا ہون ، اپنے مقام پر ہوتا تو تفصیل سے لکھتا ، مولانا شبلی مرحوم کا ایک مضمون مقالات شبلی میں مسئلہ قضا و قدر ہے ، اس کو ضرور پڑھیں ،

والسلام "س"

(۱) کیا خلقی معذورین کی پیدائش انصاف الٰہی کے خلاف ہے؟

(۲) عثمانی و حسینی شہادتین

جناب خان محمد صابر صاحب خانقاہ ڈوگران شیخوپورہ پنجاب ، } دو ایک مسائل کے متعلق پہلے کی طرح مفصل روشنی میں اپنی اور بعض احباب کی تشفی کے لئے رائے عالیہ درکار ہے ، لیکن اتنا عرض ہے کہ آپ جتنی تفصیل سے ارشاد فرمائیں گے ، وہ بہت بہتر رہے گا ، چونکہ پہلے مسئلہ کا حل ایک ہندو دوست کی تسلی کے لئے درکار ہے ، جو یہ کہتا ہے کہ اگر میری عقلی طور پر تسلی ہو جائے ، تو میں بمع اپنے اہل و عیال کے حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤن گا ، لہذا متمنی ہون کہ اس مسئلہ پر عقلی لحاظ سے روشنی ڈالی جائے اور کتابی حوالون سے گریز فرمایا جائے ،

۱- حل طلب امر یہ ہے کہ اولاد سب کے ہان ایک ہی طریقہ سے ہوتی ہے ، مگر کوئی گورا ہوتا ہے اور کوئی کالا ، کوئی امیر کوئی غریب ، اس میں مولود کا کیا قصور ہے ، کہ وہ سیاہ ہو یا غریب الحال

خدا تو منصف ہے ، اور دوسری طرف مولود بھی معصوم ، ہان اگر مولود کے والدین سے کوئی غلطی ہوئی ہے ، تو اس کا بدلہ ان والدین سے لینا چاہئے ، نہ کہ اس (بچہ) سے ، اور اگر والدین کا بدلہ (بچہ) سے لیا جائے ، تو اس کے عدل میں شک آتا ہے ، اس چیز کا جواب عقلی درکار ہے ،

(۲) شہادتِ حسینؓ و عثمانؓ میں سے کون سی شہادت افضل ہے ، بعض حضرات کا یہ کہنا کہ حضرت عثمانؓ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں کسی کو جا کر چھیڑا انہیں تنگ نہیں کیا ، اور شہید ہوتے ہیں ، مگر دوسری طرف حضرت حسینؓ یزید کے ملک میں چل کر جاتے ہیں ، اعزہ و اقارب کے روکنے سے بھی نہیں رکتے ، حقوق کی حفاظت ہر بادشاہ کرتا ہے ،

۳- مرزا حیرت دہلوی کے حالات پر بھی روشنی درکار ہے ، وہ کس عقیدہ کے تھے ، اور ان کے بیانات متعلق واقعہ کربلا کہان تک صحیح ہین ، "والسلام"

ردِ تناسخ کے ذریعہ ابطال

معارف (۱) جی ہان اگر آپ کے دل میں یہ شبہہ تھا ، تو اس کو پہلے ہی صاف طریقہ سے لکھنا تھا ، آپ نے تو جبر و قدر کے مسئلہ کو پہلے دریافت کیا تھا ، اس کا جواب دیا گیا ، اب جو سوال آپ نے کیا ہے ، یہ حقیقت میں تناسخ کے ماننے والون کی طرف سے ہے ، اور ان کے نزدیک تناسخ کے عقیدہ سے اس مشکل کا حل ہو جاتا ہے ، تو یہ غلط ہے ، اس پر حسب ذیل اعتراضات ہین ،

۱- ہر زندگی کو پچھلی زندگی کا نتیجہ ماننے سے تو ہر شخص مجبور محض ہوگا ، پھر وہ اپنی زندگی میں اپنی اصلاح کیسے کر سکتا ہے ، پچھلے کرم کے ہاتھوں وہ ہر عمل میں پابند ہے ، پھر اختیار کہان رہا جو اس کو بنائے ،

۲- ہر سزائے دنیاوی سے مقصود اصلاح ہے اور اصلاح جب ہی ہو سکتی ہے ، جب اوس کو اپنے جرم کی خبر اور اپنی سزا کا احساس ہو ، حالانکہ نہ کسی کو اپنی پچھلی بدکاری کی نہ اس زندگی میں خبر نہ اپنی سزا کا کوئی احساس ہے ، کیونکہ کسی کو اپنی پچھلی زندگی کا اس زندگی میں کوئی شعور ہوتا ہے ، پھر اصلاح کیسے ہو ،

۳- ہندوؤن کے چار ورن یا ذات ان کے دعوے کے مطابق شروع سے ہین ، اور تمام جانور وغیرہ بھی ، پھر جزا کے طور پر انسانون کا ان چار ورنون اور جانورون کی صورت میں ہونا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ،

۴- انسان کی اس زمین میں آبادی ان مخلوقات حیوانی و نباتاتی کے وجود پر موقوف ہے ، پھر آغاز عالم میں ان چیزون کے بغیر انسان کی آبادی کا خیال گویا محال ہے ،

۵۔ شروع میں تو سب ہی انسان پھل اور کرم کے بغیر ہوں گے، تو پھر ان کی جو کیفیت بھی ہوا چھی یا بری، وہ کیونکر پیدا ہوئی،

۶۔ جو شخص کہ انسان ہو کر اچھا نہ بنا وہ جانور ہو کر پھر کیسے اچھا بنے گا،

۷۔ اس عقیدہ والوں کے مطابق چونکہ نئی روح کہیں سے نہیں آتی، تو چاہئے کہ انسانوں کی موت اور پیدائش کی تعداد برابر ہی رہے، حالانکہ یہ مردم شماری سے ثابت نہیں،

۸۔ پھر چاہئے کہ کسی قوم کی مردم شماری میں ترقی و تنزل نہ ہو،

۹۔ اس عقیدہ کے مطابق انسان کی دوبارہ پیدائش گناہ کا نتیجہ ہے، پھر اس کے ماننے والوں کو چاہئے کہ اپنی تعداد اور مردم شماری کے اضافہ کو اپنے گناہوں کی ترقی سمجھ کر خوش ہونے کے بجائے افسوس کیا کریں،

۱۰۔ بیماری اور اندھا، بہرا، گونگا ہونا جب گناہ کی سزا ہے تو اس سزا کو انسانی تدابیر سے دور کرنے کی فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سزا کو ہٹانا ہے جو سراسر پاپ ہونا چاہئے،

اور بھی اس عقیدہ کے ماننے میں خرابیاں ہیں،

اب اسلامی عقیدہ کے مطابق بچوں کے مختلف پیدائشی احوال کا جواب جو ہے، وہ بعد کو عرض کروں گا، پہلے اس نظریہ کی غلطی تو ثابت ہو جائے جو فریق مخالف پیش کرتا ہے، اس عمارت کے انہدام کے بغیر دوسری عمارت اس کی جگہ نہیں بن سکتی،

عثمانی و حسینی شہادتیں

(۲) حضرت عثمان اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی ذاتی شہادتیں باعتبار نوعیت کے یکساں ہیں لیکن خاندانی حوادث کے شمول کی بنا پر واقعہ کربلا کی غمگینی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے صبر و ابتلا کی شدت زیادہ ہے، "والسلام" "س"

اسلامی عقیدہ کے مطابق بچوں کے پیدائشی احوال کا اختلاف

جناب خان محمد صابر صاحب } گرامی نامہ نمبر ۲۹۳ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۴۵ء
خانقاہ ڈوگران شیخوپورہ (پنجاب) } وارد فرما ہوا، یادآوری اور کرمفرمائی کا شکریہ،

میرے تین سوالات کا جواب صادر ہوا ہے جن میں سے دو سوالوں کے متعلق مزید معلومات کا ہیں۔

۱۔ دراصل سوال تھا کہ اسلام ارواح کا مادی دنیا میں صرف پہلی دفعہ ہی آنا ظاہر کرتا ہے، جو یہ نہ اس سے پہلے آئی ہیں، اور نہ بعد میں آئیں گی، بدیں حالات خدائے وحدہٗ لاشریک کی تقسیم میں مساوات چاہیئے تھی، پھر یہ فرق کیوں؟

اس مسئلہ کا حل اسلامی نقطۂ نظر سے درکار ہے، اور اس میں انسانی پیدائش خصوصاً مولود کے امیر، غریب، گورے، کالے وغیرہ ہونے کا ذکر بھی آجانا چاہئے تھا، آپکے ارسال کردہ جواب میں اپنے دوست کی تشفی نہیں کر سکا، محض اس خیال سے کہ سوال کرنے والا ہندو ہے، آپ نے مسئلہ تناسخ کو درمیان میں لے لیا، اگر ایسا بھی ہو کہ سوال کنندہ مسئلہ تناسخ کی رو سے موجودہ نظام قدرت کو سو فی صدی انصاف پر مبنی جانتے ہوں تو بھی ہمارا نظریہ یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمیں اپنے معتقدات کی بنا پر ایسے طریقہ سے استدلال کرنا چاہئے جو عام فہم ہونے کے علاوہ اتنا موثر ہو کہ مخالف کے دل و دماغ میں گھر کر جائے، اور وہ بھی اسے تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہو جائے نہ کہ دوسری کے معتقدات کا رد کرنا، بہرحال آپ کے لئے ایسے اسلوب بیان کا پیدا کر لینا بھی کچھ مشکل نہیں،

جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے (مسئلہ تناسخ پر دس اعتراض) یہ اگر اس وقت ہوتا جب ہم اپنے خدا کو اپنے معتقدات کی بنا پر عادل ثابت کرنے میں معذور ہوتے یا مخالف خود مسئلہ تناسخ کو بیچ میں لے آتا تو اس کے عقائد کو قطع کرنے کے لئے ہمارا یہ استدلال ضرور کارآمد ہوتا، مگر یہاں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مد مقابل کا یہ اقدام مناظرانہ نہیں بلکہ صرف متعلمانہ ہے کہ شاید تائید ایزدی آپ کی وساطت سے ہی اسے گمراہی سے نکال کر صراط مستقیم پر لے آئے، اور یہ فلاح پا جائے،

۲۔ بقول آپ کے شہادت حسینؓ کو خاندانی شمولیت کے باعث شہادت عثمانؓ پر تفوق ہے، اگر خاندانی شمول ہی کو لیا جائے تو حضرت عثمانؓ بھی اس تعلق سے خارج نہیں کیونکہ اگر حضرت حسینؓ نواسۂ رسول ہیں تو حضرت عثمانؓ داماد رسول ہیں، وہ حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم کے تحت جگہ ہیں تو یہ خود خلیفہ برحق وغیرہ تو پھر یہ تفوق کیسا؟ رہی خوش اعتقادی تو یہ ضرور چاہئے مگر یک طرفہ نہیں بہرحال مفصل رائے مطلوب ہے؟

معارف:۔ میں راندیر و سورت کے سفر میں تھا، ۱۶ر جولائی کو واپس آیا، افسوس ہے کہ آپ نے میرے جواب کی قدر نہ فرمائی، میں مخالف کو خاموش کرنا نہیں چاہتا، بلکہ اس کے قلب میں طمانیت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس لئے میں نے جو طریقہ مناسب سمجھا، وہ اختیار کیا، اس کے جواب میں آپ کو

لکھنا چاہئے تھا، کہ تناسخ کے ذریعہ سے اس کا جو فیصلہ کیا جاتا ہے، وہ بے شبہ غلط ہے، اب آپ اسلام کے رو سے اس کو حل کیجئے، جب تک پچھلا دروازہ پہلے بند نہ کر لیا جائے سامنے کا دروازہ نہین کھولا جا سکتا، اب آپ ہی غور کیجئے کہ میرا طریقہ حکیمانہ تھا یا نہین، اب بھی آپ اس طریقہ پر عمل فرما سکتے تھے، بہرحال اب مین یہ فرض کر لیتا ہون کہ آپ نے یہ مان لیا کہ تناسخ کے ذریعہ سے اس مشکل کا حل نہین ہو سکتا، اب میرا سوال ہے،

۱- یہ کیون ضروری ہو کہ تمام مخلوقات مین مساوات تامہ ہو،

۲- اور اگر ایسا نہ ہو تو ظلم لازم آئے گا،

۳- ظلم نام ہے غیر کے اندر بے سبب تصرف بیجا کا، یہان مخلوقات الٰہی تمامتر اللہ تعالیٰ کے مخلوق و محکوم تابع محض ہین اور اس کی مشیت مطلقہ کے زیر فرمان ہین، جیسے فرض کیجئے کہ کمہار ایک ہی مٹی سے کوئی مرتبان، کوئی پیالہ، کوئی صراحی کوئی لوٹا کوئی تشتری بناتا ہے تو ان ظروف کو اس اعتراض کا کیا حق حاصل ہو کہ مجھے ایسا یا اس کو ویسا کیون بنایا، اس کی مشیت خواہش اور ارادہ حاکم مطلق ہو جس کو جو بنانا مصلحت نظر آیا، اس کو اس کے فائدہ ہی کے لئے ویسا بنایا، کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہین،

اللہ تعالیٰ نے کسی کی قسمت مین راحت رکھی ہے اور کسی کی قسمت مین تکلیف، اس کے یہ معنی نہین ہین کہ جس کی قسمت مین راحت رکھی ہے، اس پر کرم فرمایا ہو اور جس کو تکلیف دی ہو اس پر ستم کیا ہو، ورنہ دنیا کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا ہوگا، کہ نکوکارون اور اچھے لوگون پر جو دنیا دارون کے مقابلہ مین تکلیف مین رہتے ہین، اللہ تعالیٰ نامہربان ہو اور بدمعاشون، بدکارون اور ڈاکوون پر اس کا بڑا کرم ہو، جی نہین یہ دونون اللہ تعالیٰ کے امتحان اور ابتلا ہین، امیر اور غریب جو راحت مین ہین اور جو تکلیف مین ہین، دونون اس دنیا کے تماشا گاہ مین اپنے اخلاق و اعمال کا امتحان دے رہے ہین، غریب کا امتحان صبر مین اور امیر کا شکر مین ہو رہا ہو، ممکن ہو کہ یہ غریب جیت جائے اور امیر ہار جائے اور آخرت مین اللہ تعالیٰ کے یہان اس امیر کو عذاب و اس غریب کو سرتاسر راحت و جنت دیجائے،

اس کی مثال یون سمجھئے کہ جیسے تھیٹر کا منیجر کسی ایکٹر کو فقیر کا روپ بھرنے کو کہے اور دوسرے کو شہزادہ کا، اب دونون اپنے ایکٹ پیش کرتے ہین، بالکل ممکن ہو کہ فقیر کا روپ بھرنے والا اپنے ایکٹ مین کامیاب ہو جائے اور وہ انعام و اکرام کا مستحق سمجھا جائے اور شہزادہ کا روپ دھارنے والا بالکل ناکام رہے، اور وہ نوکری سے بھی محروم کر دیا جائے، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہو کہ منیجر نے جس سے فقیر کا روپ بھروایا، اس پر ظلم کیا تھا اور جس سے شہزادہ کا روپ بھروایا اس پر احسان و کرم فرمایا تھا، یہ ظاہر بینون کا فیصلہ قطعی غلط ہوگا، اور اگر دونون نے اپنا اپنا ایکٹ ٹھیک کیا تو دونون برابر کے انعام و اکرام کے مستحق ٹھہرین گے، یہ نہین کہ فقیر کو کم اور شہزادہ کو زیادہ ملیگا، ایک بات سمجھ لین کہ مذاہب حقہ کے نزدیک یہ دنیا دار الجزا حقیقی نہین حقیقۃً وہ دار العمل ہو، اس لئے اس دنیا مین جو اختلاف

حال پیش آتا ہے عموماً گذشتہ عمل کی کلی اور قطعی پاداش نہین، ہان اس دنیا مین کوئی جزوی پاداش اسی دنیا کے کام کی مل سکتی ہے، مثلاً کوئی بدکاری کرے، اس کو امراض خبیثہ ہو جائین، تو یہ جزئی سزا ہے جو مل سکتی ہو اور ملتی ہے، یا جیسے کوئی بُری غذا کھائے اور اس کو ہیضہ ہو جائے، تو یہ جزئی کام کی جزئی سزا ہے، یہ پوری عمر کے کامون کی کلی سزا نہین،

بہرحال اسلامی عقیدہ مین یہ دنیا عموماً دار العمل ہو، کسی گذشتہ زندگی کا دار الجزا نہین، اور تناسخ کے ماننے والون کے نزدیک یہ زندگی بلکہ ہر زندگی پچھلی زندگی کی جزا ہو، اور یہ جزا اس کو اس وقت تک ملتی رہے گی جب تک اس کا عمل ختم نہ ہو جائے یعنی اس سے کوئی عمل ہی سرزد نہ ہو یعنی پوری زندگی مین وہ مسلوب العمل رہے تاکہ عمل کی جزا مین دوبارہ پیدائش نہ ہو، کیا اس نظریہ کو کوئی صحیح الدماغ مان سکتا ہے،

بچون کو طفولیت مین جو تکلیف و راحت ہوتی ہو، اس سے خود بچون کے صبر و شکر کا امتحان نہین، بلکہ ان کے والدین اور سرپرستون کے صبر و شکر کا امتحان ہوتا ہے اور اسی پر ان کو جزا ملتی ہے، مثلاً اس دنیا مین اگر کسی کا مکان جل جائے، یا کسی کا اکلوتا لڑکا مر جائے تو تناسخ کا ماننے والا بھی یہ نہین کہہ سکتا کہ یہ سزا مکان کو ملی یا یہ سزا لڑکے کو ملی، مرنا تو کوئی سزا نہین، کیونکہ اس سے تو تکلیف کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ممکن ہو کہ آرام ملے، اب تناسخ کے ماننے والے کو بھی یہی کہنا ہوگا کہ یہ سزا مکان کے مالک اور لڑکے کے والدین یا سرپرست کو ہوئی ہے، یہی صورت حال چھوٹے بچون کے باب مین بھی ہے اور اس اختلاف حال کا کوئی تعلق پچھلی زندگی کی جزا سے نہیں ہے،

یہ جواب تو مین نے ان مسلمانون کے خیال کے مطابق دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت مطلقہ اور قدرت عامہ پر ایمان رکھتے ہین، لیکن مسلمانون کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی مین سارے قوانین بنا دیئے ہین، اور اشیاء مین خواص رکھ دیئے ہین، اب دنیا اسی قانون کے مطابق چل رہی ہو، جیسے قانون بنا دیا کہ آگ جلائے، اب وہ جلا رہی ہو، خواہ اس مین کوئی نکوکار ہاتھ ڈالے یا بدکار، دونون کے ہاتھ جلین گے، قانون بنا دیا کہ سنکھیا کھانے والا مر جائیگا، اب چاہے اس کو ہندو کھائے یا مسلمان دونون مرین گے، اسی طرح بدکاری کی طبعی سزا مین اگر کسی کو سوزاک یا آتشک ہو گئی، تو اس کی مقررہ سزا ہے اور اس کے جراثیم خون کے اندر داخل ہو جائین گے اور وہ خون جہان جہان جائیگا اسی بیماری کو پیدا کرے گا، چنانچہ یہ بیماری باپ سے بچے میں پیدا ہو گی، قانون طبعی کے مطابق، مگر روحانی قانون کے مطابق باپ کے جرم میں بچہ شریک ہو کر آخرت مین یا اس دنیا میں مستحق عذاب نہ ہوگا، مگر طبعی قانون کے رو سے ان کو سزا ملتی ہے اور ملتی رہے گی،

اب اگر کوئی بچہ بیمار پیدا ہو یا کوئی اندھا یا کوئی لنگڑا، یا کوئی کالا کوئی گورا، کوئی ناٹا، کوئی لمبا تو

اس اختلاف کے اسباب طبعی قوانین ہین، روحانی قوانین نہین، اس میں غذا کی خرابی، نطفہ کی خرابی، ایام حمل میں بے ترتیبی کی خرابی، آب و ہوا کا فرق، غرض یہ سب اختلاف احوال قوانین طبعی کے ماتحت سے ہین، اس کا کوئی تعلق اعمال کی روحانی جزا سے مطلق نہین ہے اس لئے اس اختلاف حال سے اللہ تعالیٰ کا ظلم ثابت نہین ہوتا، بلکہ خود انسان کی اپنی غلطی یا قوانین سے جہالت یا قوانین طبعی کی خلاف ورزی وغیرہ ذمہ دار ہے، چنانچہ جاہل ملکون اور قومون مین بچون کی بیماری اور موت کی جس قدر کثرت ہوتی ہے حفظان صحت کے اصول اور نئی سائنس کی نگہداشت سے بہت کمی ہوتی ہے، جیسے یورپ کے ملکون مین شرح اموات اور بچون کی بیماریون کی شرح بہت کم ہوئی ہے، تو کیا اس کے معنی یہ ہین کہ یورپ کے لوگ بڑے نکوکار اور ہم ایشیائی لوگ اور ہندستان والے بڑے پاپی ہین،

اس سے معلوم ہوا کہ طبعی اختلاف احوال کے اسباب تمامتر طبعی ہین جن کو اللہ تعالیٰ نے ازل ہی مین مقرر فرما دیا اور جس کے مطابق دنیا چل رہی ہے، اور اس اختلاف احوال کا سبب اعمال کے روحانی اثرات مطلق نہین ہین اس لئے اللہ تعالیٰ کے ستم وکرم پر استدلال قطعًا غلط ہے، اور آپ کا شبہہ تمامتر یہی ہے،

(۲) حضرت عثمان رضؓ والے جواب کو آپ سمجھے نہین، مین نے یہ کہا تھا کہ شخصًا دونون شہادتین یکسان ہین لیکن غم گینی کا حصہ شہید کربلا رضؓ مین اس لئے زیادہ ہے کہ وہ پورے خاندان کے ساتھ شہید ہوگئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا شہید ہوے، اس لئے حادثۂ کربلا کا ابتلا حادثۂ مدینہ کے ابتلا سے اس حیثیت سے زیادہ ہے، والحمد للہ،

"س"

طمانیت مستفسر

جناب خان محمد صابر صاحب، خانقاہ ڈوگران شیخوپورہ پنجاب | مکتوب گرامی مورخہ ۵ رمضان المبارک ورود فرما ہوا، آداوری اور کرمفرمائی کا شکریہ، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا پہلا خط حکیمانہ مصلحت لئے ہوئے تھا، اور اس کی غرض محض فریق مخالف کے قلب مین طمانیت پیدا کرنا تھا، مگر مین نہیں چاہتا تھا، کہ مخالف کے دل مین کسی قسم کی حسرت یا شک رہ جائے لہذا دوبارہ تکلیف دی، جو خدا کے فضل وکرم سے موثر ثابت ہوئی جس کا یہ اثر ہے کہ وہ صاحب جو پہلے ہر روز آآکر پوچھا کرتے تھے کہ کیون سید صاحب قبلہ نے جواب بھیجا، اب سارا سارا دن شکل تک نہین دکھاتے، کئی کئی بار آدمی بھیجا جاتا ہے کہ وہ آئین، مگر بے سود، آپ کے گرامی نامہ کی وسیع تشہیر کیا رہی ہے، ہدیۂ مبارکباد قبول فرمایئے کہ اس فرعون کے لئے آپ موسیٰ ثابت ہوئے،

معارف:- فالحمد للہ علیٰ ذالک،

مطبوعات جدیدہ

کیفیہ از جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد للعہ غیر مجلد سے رتپہ:- انجمن ترقی اردو دہلی،

پنڈت جی اردو زبان کے محقق اور صاحب نظر اساتذہ مین ہین، اردو کے مزاج اور اس کی باریکیون پر ان کی نظر بہت گہری اور وسیع ہے، کیفیہ اس کا نمونہ ہے اس مین اردو زبان کی مختصر تاریخ اس کے الفاظ، املا، انشا، محاورات، معانی وبیان، عروض وقوافی وغیرہ زبان کے مختلف اہم پہلوؤن پر عالمانہ بحثین اور متفرق لسانی مسائل پر نہایت مفید معلومات ہین، اردو زبان پر اب تک جتنی کتابین لکھی گئی ہین، ان مین کیفیہ مضامین کی ندرت، تنوع اور افادہ کے اعتبار سے سب مین ممتاز اور سب سے جدا ہے، یہ معلومات ومباحث اور کسی کتاب مین یکجا نہین مل سکتے، لیکن کسی مصنف کے تمام خیالات اور کسی بحث کے تمام جزئیات سے پورا اتفاق ضروری نہین ہے، چنانچہ اس کتاب مین بھی کلام کے نقائص کی بحث مین اختلاف کی کافی گنجایش ہے، بعض فروگذاشتین بڑی فاحش نظر آئین، مثلًا اس شعر

> ساقیِ کوثر پلاتا ہے مئے خمِ غدیر مست ہون ناسخ مین عشقِ احمدِ مختار مین

کو مخالفِ قیاس لغوی کی مثال مین پیش کرکے لکھا ہے کہ "غدیر کے معنی ہین، جو ہڑ، گڑھا یا گڑھ ہوا جہان برسات کا پانی جمع ہوتا ہے، یہ بھی مخالفت (قیاس لغوی) کی ویسی ہی بری مثال ہے" یعنی غدیر کے معنی جوہڑ کے ہین اس لئے خم کی اضافت اسکی جانب صحیح نہین ہے لیکن یہ اعتراض اس لئے کیا گیا ہے کہ معترض نے خم اور غدیر کے لفظی معنی مراد لئے ہین، حالانکہ اس شعر مین لفظی معنی مراد نہین، بلکہ "غدیر خم" کے تاریخی واقعہ کی جانب اشارہ مقصود ہے، خم مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے اور غدیر اس کے پاس ایک تالاب تھا جو خم سے قربت کی وجہ سے غدیر خم کہلاتا تھا، آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کی واپسی مین غدیر خم کے پاس حضرت علی علیہ السلام کی شان مین مشہور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ الخ ارشاد فرمائی تھی شیعون کے یہان اس واقعہ اور اس تاریخ کی بڑی اہمیت ہے، اور ۱۸ ذی الحجہ کو اس کی

یادگار ہیں عید غدیر منائی جاتی ہے اور خُم کی مناسبت سے خم غدیر اور عید غدیر کی اصطلاح مے، اور شراب وغیرہ کے اضافہ کے ساتھ بطور کنایہ تولائے علیؓ و محبت اہل بیتؓ اور ان کے فضائل وغیرہ کے لئے استعمال ہوتی ہے، حزؔ نظرت کا شعر ہے،

مستی بیاد ساقیِ کوثر عبادت است جوشِ خم است خطبۂ عید غدیر را

ناسخؔ نے بھی خم غدیر کو انہی معنون میں استعمال کیا ہے، البتہ صحیح لفظ غدیر خم ہے، خم غدیر غلط العوام ہے، ساقی اور مے وغیرہ کی مناسبت سے ناسخ نے بھی اسکو استعمال کر دیا ہے، اس قسم کی بعض اور بھی خفیف فروگذاشتین ہین لیکن اس سے کتاب کی اہمیت مین فرق نہین آتا، اور یہ کتاب اردو زبان کی تحقیق کا ذوق رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہے، انشاء اللہ کسی آیندہ موقع پر اس پر تفصیلی نگاہ ڈالی جائے گی،

بیسوین صدی کا ادب مرتبہ جناب ملک حامد حسن صاحب صدر آفتاب مجلس، تقطیع اوسط ضخامت ۱۹۵ صفحے، کاغذ، کتابت، و طباعت، بہتر، قیمت :- عار پتہ آفتاب مجلس، مسلم یونیورسٹی، علیگڈھ،

ادھر پندرہ بیس برس کے عرصہ مین "ترقی پسند ادب" کے نام سے جو لٹریچر پیدا ہو رہا ہے، اس کی موافقت اور مخالفت مین بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور اس مین ضمناً قدیم ادب کے نقائص کا بھی جائزہ لے لیا گیا ہے، لائق مرتب نے اس سلسلہ کو موافق و مخالف دونون نقطۂ نظر کے دس تنقیدی مضامین اس مجموعہ مین سلیقہ سے جمع کر دیئے ہین: "ترقی پسند ادب" پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی "ادب و زندگی" چودھری محمد ابو الحسن صاحب صدیقی ایڈوکیٹ بدایون "ایک ادبی ڈائری کے چند اوراق" از جناب اختر انصاری "ترقی پسند ادب کا ایک معترض" جناب عبد القادر صاحب ایم اے "مختصر اردو افسانوی ادب" چودھری محمد ابو الفضل صاحب صدیقی "اردو غزل پر ایک نظر" شیخ عبد اللطیف صاحب صدیقی "حالی سے اقبال تک" ملک حامد حسن صاحب "ادب برائے ادب" جناب اختر پرویز صاحب "اردو افسانے کا ارتقاء" سعید احمد صاحب ایم اے ان مضامین کے مطالعہ سے نئے ادبی رجحانات، اس کے پیدا کردہ ادب، اس کے محاسن و معائب اور اس کے موافق و مخالف دلائل اور پرانے ادب کے نقائص وغیرہ بیسوین صدی کے پیدا شدہ ادب اور اس کی رفتار کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے، کتاب کے شروع مین پروفیسر حلیم صاحب کے قلم سے مختصر لیکن متین و سنجیدہ دیباچہ اور لائق مرتب کے قلم سے نئے ادب پر معتدل و متوازن تبصرہ ہے، پروفیسر رشید احمد صاحب کا مضمون کافی شہرت و مقبولیت حاصل کر چکا ہے،

اور اس لائق ہے کہ ترقی پسند نوجوان اسے اپنا ادبی رہنما بنائین،

المختصر مترجمہ جناب احمد اللہ صاحب منشی فاضل و مولوی عالم تقطیع بڑی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مرقوم نہین، پتہ :- مصنف سوباجی گوڑہ حیدرآباد دکن،

یہ رسالہ امام ابو شجاع تقی الدین شافعی المتوفی سنہ ۵۸۸ھ کے ایک فقہی رسالہ غایۃ الاختصار کا اردو ترجمہ ہے، مترجم نے شیخ ابراہیم بیجوری کی شرح اور محمد بن قاسم غزی کے حاشیہ سے جابجا مفید اضافے اور الفاظ کی تشریحات بھی کر دی ہین، یہ رسالہ اختصار کے باوجود فقہی مسائل کا جامع ہے، اور روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، قربانی، وقف، ہبہ، شفعہ، وراثت، وصیت، نکاح و طلاق کے تمام ضروری مسائل آگئے ہین، شوافع کے لئے یہ رسالہ خاص طور پر مفید اور کار آمد ہے، اور دوسرے مذاہب کے اشخاص بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین،

کمپنی کی حکومت جناب باری صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰۹، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت للعہ، پتہ مکتبہ اردو لاہور،

یہ کتاب لائق مصنف کی پرانی تصنیف ہے، اس کا یہ تیسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، ہر اڈیشن اپنے ماقبل سے زیادہ جامع و مکمل ہے، چنانچہ اس اڈیشن مین بھی بہت سے نئے اضافے ہین، اس کتاب مین مغلون کے زوال اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے زمانہ سے لیکر ان کے خاتمہ تک ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھون جو بیتا گذری، اس کی مفصل سرگذشت بیان کی گئی ہے، اس کے پہلے اڈیشنون پر معارف مین مفصل ریویو ہو چکا ہے، اس لئے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہین، کتاب بہت جامع، مستند اور ہر پڑھے لکھے ہندوستانی کے مطالعہ کے لائق ہے

سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری پر ایک جامع تبصرہ از جناب چودھری رحم علی صاحب ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ بلا جلد ۱۲؍ پتہ انجمن ترقی اردو دہلی،

اس کتاب مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی روشنی مین آبادی کی مختلف قسمون اور ان کے مختلف پہلوؤن مثلاً شہر و دیہات، ہندوستان کی قومون، عورتون کی حالت، صحت، تعلیم، زبان وغیرہ کی تفصیلات اور ان کے مختلف تناسبون پر نہایت مفید اور دلچسپ تبصرہ کیا گیا ہے، ان مین سے ہر موضوع و بحث، بہت سے ذیلی موضوعون پر مشتمل ہے، اور اس سے ہندوستان کی آبادی کے

مختلف پہلوؤں اور حیثیتوں کے متعلق نہایت کارآمد معلومات حاصل ہوتے ہیں، انگریزی میں تو اس قسم کی کتابوں کی کمی نہیں لیکن اردو میں کمیاب ہیں، اور ان کی بعض اوقات بڑی ضرورت پڑتی ہے،

خدا اور کائنات از جناب ماہر القادری تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

لائق مؤلف نے اس کتاب میں فطری اور وجدانی دلائل اور مغرب کے حکماء و فلاسفہ کے اقوال سے خدا کے وجود کو ثابت کیا ہے، اور دلنشین انداز میں دکھایا ہے کہ کائنات کا کمال تخلیق، اور حسن تخلیق اور اس کا عظیم الشان نظام خود ایک صانع حقیقی کے وجود کا شاہد ہے، اور کسی شے کی کنہ اور حقیقت، سے لاعلمی کے بارہ میں قدیم فلاسفہ و حکماء کے اعترافات نقل کر کے خدا کی ضرورت اور اس کے وجود کے ثبوت میں جدید مغربی فلاسفہ کے اقوال اور ان کے اعترافات پیش کئے ہیں، انداز تحریر موثر و دلنشین اور کتاب عام لوگوں کے لئے مفید ہے۔

بچوں کی نفسیات از جناب شیر محمد اختر صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۶۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ کلدار ۱۲ر سکۂ عثمانیہ پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

جدید نفسیات نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے بارہ میں بہت سے پرانے اصول و نظریے بدل دیئے ہیں، ایک زمانہ میں جور [illegible] فہمائش سے بہتر سمجھا جاتا تھا، لیکن جدید نفسیات کی رو سے تعلیم و تربیت کے لئے جور بلکہ تنبیہ و سرزنش بھی مضر ہے، اور اس سے بچوں کے عادات و خصائل بننے کے بجائے اور بگڑ جاتے ہیں، اسلئے اس کے بجائے مناسب افہام و تفہیم کو اہمیت دی گئی ہے، چنانچہ اس کتاب میں بچوں کی نفسیات کی روشنی میں تعلیم و تربیت کے ان جدید اصولوں کو پیش کیا گیا ہے، معلموں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا،

ذہنی زلزلے از جناب نعیم صدیقی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ:- دارالاشاعۃ نشاۃ ثانیہ مکان نمبر ۲۴۰۱، ملے پلی جدید حیدرآباد دکن و مکتبہ کاروان ادب دارالاسلام نزد پٹھان کوٹ پنجاب،

جدید ترقی پسند افسانوں میں بڑی بے اعتدالی پائی جاتی ہے، جناب نعیم صدیقی نے جو روشناس صاحب قلم ہیں، مذکورہ بالا افسانوں میں ایک درمیانی اعتدال کی راہ پیدا کی ہے، جس میں مذہب و اخلاق کی حرمت کے ساتھ جدید تقاضوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اور بے قید انقلابی خیالات اور دور جدید کے بعض مسائل پر بڑے لطیف انداز میں تنقید کی گئی ہے، اس مجموعہ میں تیرہ افسانے ہیں، اور سب بامقصد اور پڑھنے کے لائق ہیں، ان میں قدامت کی سنجیدگی و وقار بھی ہے اور جدت کا حسن و ترقی پذیری بھی، "م"

جلد ۵۶ ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء عدد ۴

مضامین